(صرف احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے)

راہ ہدایت

بجواب

شناخت

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	دربارہ ‘‘پیش لفظ’’ (سچے مسیح و مہدی اور جھوٹے مدعیان کا فرق)	1
۲	ابتدائیہ (مولوی صاحب کے اعتراضات کی اقسام مولوی صاحب کا بیان کردہ معیار اور اس پر تبصرہ)	4
۳	نمبر۱: مجدد آخر الزماں اور چودھویں صدی کا مجدد	7
۴	نمبر۲: مدت قیام مسیحؑ	10
۵	نمبر۳: شادی اور اولاد	15
۶	نمبر۴: حج و زیارت	18
۷	نمبر۵: مدفن مسیح علیہ السلام	23
۸	نمبر۶: مسیح علیہ السلام کا نزول من السماء	35
۹	نمبر۷: مسیحؑ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی قسم کی حقیقت	38
۱۰	نمبر۸: ظاہری نزول مسیح علیہ السلام	42
۱۱	نمبر۹: حکم و عدل	46
۱۲	نمبر۱۰: کسر صلیب	56

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱۳	نمبر۱۱: لڑائی اور جزیہ بند	72
۱۴	نمبر۱۲: دجال کی تعیین اور قتل دجال	81
۱۵	نمبر۱۳: امن و آشتی	110
۱۶	نمبر۱۴: کثرت مال	120
۱۷	آخری گزارش (پندرھویں صدی کا مجدد، مسیح موعود علیہ السلام کی علت غائی)	125

دربارہ ’’پیش لفظ‘‘

محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے کتابچہ صفحہ ۳ پر ’’پیش لفظ‘‘ کے زیر عنوان جو تحریر فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسیح و مہدی کے ظہور اور ان کے زمانہ میں دجال کے خروج کی خبر متواتر احادیث میں دی ہے۔

اس متواتر خبر اور اس کی ثقاہت کی وجہ سے گزشتہ صدیوں میں بہت سارے لوگوں نے مہدویت اور مسیحیت کے دعاوی کئے لیکن ’’حقائق و واقعات کی کسوٹی پر ان کے دعوے غلط ثابت ہوئے ان میں سے بعض مدعیان مسیحیت یا مہدویت کی جماعتیں اب تک موجود ہیں‘‘ (شناخت صفحہ ۳)

جہاں تک ایسے مدعیان کا ہونا ہے اور ان کے دعاوی کا غلط ثابت ہونا ہے تو ہمیں مولوی صاحب کے ساتھ اتفاق ہے مگر قیامت تک آنے والے ہر ایک مدعی کو ان کی فہرست میں شامل کرنا لغو امر ہے۔ کیونکہ فریقین میں مسلّم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سچے مہدی و مسیح کے آنے کی بھی پیشگوئی فرمائی ہے۔ جھوٹے مدعیان کی جماعتوں کا اب تک موجود ہونا اور ان کا سلسلہ ترقی کی طرف جاری رہنا ایسا دعویٰ ہے کہ جس کا ثبوت مولوی صاحب کے ذمہ ہے۔ البتہ یہ شرط ضروری ہے کہ مولوی صاحب حضرت مرزا صاحب کی طرح ان مدعیان مسیحیت و مہدویت کے الہامات من جانب اللہ جو معقول تعداد میں ہوں دکھائیں جو شائع شدہ موجود ہوں اور ان کے یہ دعاوی کہ وہ اللہ کی طرف سے اس منصب پر قائم کئے گئے ہیں اور پھر بعد دعویٰ انہیں مرزا صاحب جتنی مہلت بھی خدا کی طرف سے ملی ہے۔ مگر مولوی صاحب یاد رکھیں کہ وہ قیامت تک اس قسم کا ثبوت پیش نہیں کر سکیں گے۔

قارئین کرام! اگر تو مولوی صاحب کی مراد محض ایسے مدعیان مہدویت و مسیحیت سے ہے جنہوں نے نہ تو من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور نہ ہی اس دعویٰ کی بنیاد منجاب اللہ

الہامات پر رکھی ہو تو ایسے مدعیان کا حضرت مرزا صاحب کے تعلق میں پیش کرنا ہی غلط ہے اور اگر مولوی صاحب کی غرض یہ ہے کہ ایسے مدعیان مسیحیت و مہدویت گزرے ہیں جنہوں نے منجانب اللہ مسیح و مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعوے کی تصدیق میں الہامات پیش کئے جو الہامات اظہار علی الغیب کے زمرہ میں آتے تھے اور پھر ان کو شائع بھی کر دیا۔ اس کے باوجود وہ کامیاب ہوئے حتی کہ ان کو اس قدر مہلت مل گئی کہ ان کی جماعتیں جماعت احمدیہ کی طرح قائم ہوگئیں تو یہ دعویٰ ایسا ہے جس کا ثبوت مولوی صاحب کے ذمہ ہے اور ہم اپنے معزز قارئین کو بتاتے ہیں کہ اس معیار پر سوائے سچے مامورین من اللہ کے کوئی بھی پورا نہیں اترتا کیونکہ یہ سچوں کا معیار ہے جو قرآن مجید نے سورہ الحاقہ رکوع نمبر ۲ میں ذکر فرمایا ہے۔ پس اب مولوی صاحب کو چاہئے کہ کسی ایسے مدعی کا پتہ دیں کہ جو مذکورہ بالا شرائط پر پورا اترتا ہو اور جھوٹا ہو اور پھر اسے کامیابی ملی ہو۔ اگر وہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہوں تو یہ بے دلیل اور جھوٹا دعویٰ ہے جو مولوی صاحب نے کیا ہے اور یہ وہ دعویٰ ہے جس کی تردید خود قرآن مجید فرما رہا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب مذکور لکھتے ہیں:۔

”ان کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چودھویں صدی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۴ء میں مجددیت کا، ۱۸۹۱ء میں مسیحیت کا اور ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس طرح مدعیان مسیحیت و مہدویت میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا۔“

(شناخت صفحہ ۳ زیر عنوان پیش لفظ از محمد یوسف لدھیانوی)

مولوی صاحب نے یہاں پر عجیب منطق استعمال کی ہے کہ گزشتہ مدعیان مسیحیت و مہدویت کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت و نبوت کر دیا حالانکہ گزشتہ مدعیان کے حشر کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص بھی اتنے خطرناک دعویٰ کی جسارت کر ہی نہیں سکتا۔ خود حضرت مرزا صاحب کو اپنے اس دعویٰ کے بعد جن دشواریوں بلکہ پہاڑوں جیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا اگر آپ منجانب اللہ نہ ہوتے تو گزشتہ جھوٹے مدعیان کی

طرح صفحہ ہستی سے ناکام ونامراد مٹا دیئے جاتے اور اپنے سے پہلے جھوٹے مدعیان کی طرح اِنْ یَّكُ كَاذِباً فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ (المومن ۲۹) کی وعید سے بچ نہ سکتے مگر آپؑ کے ساتھ اِنْ یَّكُ صَادِقاً يُّصِبْكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ يَعِدُكُمْ (المومن ۲۹) والا سلوک آپؑ کی صداقت پر الٰہی مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

ابتدائیہ

اس رسالہ میں مولوی صاحب نے انہی گھسے پٹے اعتراضات کو دہرایا ہے جن کا بارہا جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب دیا جا چکا ہے البتہ اس میں انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ ایک بار پھر نیا دھوکہ دیں۔ ذی فہم حضرات کا اس دھوکہ میں آنے کا احتمال نہیں ہے تاہم عوام الناس ان کے اس دھوکہ میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے پیدا کردہ وساوس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور عرض کیا جائے۔

آگے چل کر واضح ہو جائے گا کہ مولوی صاحب نے نہایت چالاکی کے ساتھ اعتراض کئے ہیں۔ مولوی صاحب کے اعتراضات عموماً درج ذیل اقسام پر مشتمل ہیں،

(الف) وہ اعتراضات جو کہ آثار کے معانی کو ظاہر پر حمل کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔

(ب) وہ اعتراضات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات کو درج کر کے پھر ان کو اپنی مرضی کے مطابق معانی پہنا کر کئے گئے ہیں۔

عام طور پر ہر زمانہ کے مخالف انہی دو قسم کے ہتھکنڈوں سے کام لے کر الٰہی سلسلوں کے متعلق دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کتاب کے صفحہ ۵ پر بظاہر بڑا خوبصورت اصول آئندہ اعتراضات کی بنیاد کے طور پر تحریر کیا ہے کہ:۔

”میرے آپ کے اور سارے انسانوں کے لئے لازم ہے کہ مرزا صاحب کو فرمودہ نبیؐ کی کسوٹی پر جانچیں۔ وہ کھرے نکلیں تو مانیں کھوٹے نکلیں تو انہیں مسترد کر دیں“ (شناخت صفحہ ۵)

یہ اصول تو لدھیانوی صاحب نے بالکل درست بیان فرمایا ہے۔ لیکن حقیقت حال تو یہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں انبیاء کے انکار کے یہی اصول پیش کر کے اس وقت کے نبی کا انکار کیا گیا اور ہر دور کے نبی کے متعلق ماثورہ اور بیان کردہ علامات لے کر اس وقت کے مفکرین

اور منکرین نے انہیں اپنے معنی پہنا کر اس وقت کے انبیاء کو رد کر دیا اور ان کے ساتھ استہزاء کیا گیا۔

اہل عقل حضرات ذرا غور فرمائیں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور علامات ماثورہ کے مطابق نہیں تھے؟ تھے اور یقیناً تھے۔ تو کیا اس وقت کے یہود بلکہ آج تک یہود جو ان کا انکار کر رہے ہیں ان کو وہ علامات اور نشانات نظر آئے؟ پھر خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق کس قدر واضح علامات پوری ہوئیں۔ ہاں وہی علامات جو گزشتہ انبیاء بیان کر چکے تھے۔ مگر انصاف سے بتائیے کہ کیا آپ ﷺ کے منکرین نے ان علامات کو دیکھ کر مان لیا؟ حالانکہ دعویٰ ان کا بھی یہی تھا کہ یہ ہماری کتابوں میں بیان کردہ علامات کے مطابق ہو تو ہم مان لیں مگر چونکہ یہ ان علامات کے مطابق نہیں ہے اس لئے ہم نہیں مانتے۔

اب اس مرحلہ پر قابل غور یہ امر ہے کہ اس انکار کی وجہ کیا ہوتی ہے اور حقیقت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ایک ہی مشترک وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ علامات تو پوری ہو جاتی ہیں اور اس مامور کی صداقت کے نشانات تو ظاہر ہو جاتے ہیں مگر وہ نشانات اور علامات ان نظریات اور خیالات کے مطابق پورے نہیں ہوتے جو کہ مخالفین کے ذہنوں میں ہوتے ہیں یعنی وہ نقشہ جو ان لوگوں نے اپنے ذہنوں میں آنے والے کے متعلق آثار کے مطالعہ کے بعد غائبانہ طور پر قبل از انکشاف تام قائم ہوتا ہے وہ پورا ہوتا انہیں نظر نہیں آتا۔ اس لئے ان کے نزدیک وہ سچا نہیں ہوتا۔ حالانکہ حقیقت ہمیشہ اس کے برعکس رہی ہے کہ وہ آنے والا سچا ہوتا ہے مگر ان کے اپنے ذہنوں کی قائم کردہ تصویر درست نہیں ہوتی۔

ان کی ذہنی تصویر کے درست نہ ہونے کے اسباب میں بہت بڑا دخل ہمیشہ سے ظاہر پرستی کا رہا ہے یعنی وہ لوگ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ علامات جو ہماری کتب میں لکھی ہیں یہ ظاہری طور پر پوری ہونی چاہئیں۔

مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کے انکار کی وجوہات یہ تھیں کہ:۔

نمبر ۱:۔ یہودی کتب میں سچے مسیح سے قبل الیاس علیہ السلام کے آسمان سے آنے کا ذکر ہے (ملاکی باب ۴ آیت ۱۵) یہود نے حضرت مسیح سے کہا جب تک الیاس علیہ السلام آسمان سے

ظاہری طور پر نہیں آتا اس وقت تک تم سچے نہیں ہو سکتے۔ آپ نے بہتیرا سمجھایا کہ نزول سے مراد روحانی نزول ہے جو حضرت یحیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پورا ہو گیا مگر ظاہر پرست علماء اس کے مخالف تھے اور الیاس علیہ السلام کے ظاہری جسم سمیت **نزول من السماء** کے مطالبہ پر ڈٹے رہے۔ (متی باب ۱۱ آیت ۱۵)

نمبر۲:۔ اس وقت کے یہود ایسے مسیح کا انتظار کر رہے تھے جو انہیں آتے ہی ظاہری و دنیوی حکومت عطا کرے۔ دشمنوں کو ہلاک کر دے (میکاہ باب ۵ آیت ۲، یرمیاہ باب ۵ آیت ۲۳) مگر جب حضرت مسیح علیہ السلام نے روحانی حکومت کا اعلان کیا اور اس وقت کی حکومت کی اطاعت کا کہا (یوحنا باب ۱۸ آیت ۳۶) تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے اور ظاہری علامات کے پورا ہونے کا مطالبہ کرنے لگے۔ خود رسول عربی ﷺ کے منکرین آج تک یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ آپ کے اندر وہ علامات پوری نہیں ہوئیں جو کہ ان کتب میں مرقوم ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید مخالفین رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** (یونس ۲۰) اور کہتے ہیں کیوں نہ اتاری گئی اوپر اس کے نشانی پروردگار اس کے سے۔

(ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب معجز نما عکسی قرآن مجید سورہ یونس ۲۰ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

پس رسول اللہ ﷺ کے منکرین نے بھی یہی عذر تراشا کہ اس کے رب کی طرف سے اس کے اوپر کوئی نشانی نازل نہ ہوئی یعنی یہ کسی بھی علامت اور نشانی کو پورا نہیں کرتا۔ نہ ہی پہلی علامات کے مطابق اور نہ ہی آئندہ خود اس سے کو نشانی ظاہر ہوئی ہے۔

تو مخالفین کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ:۔

نمبر۱:۔ وہ ایک نقشہ اپنے ذہنوں میں بناتے اور اس معیار پر نبی کو پرکھتے ہیں۔

نمبر۲:۔ وہ ہمیشہ ظاہر پرستی پر قدم مارتے ہیں اور ان تمام علامات کا ظاہراً اس طور پر پورا ہونا مراد لیتے ہیں جس طور کا نقشہ انہوں نے بنایا ہوتا ہے۔ اب اس کے دوسری طرف دیکھئے کہ:۔

ہر زمانہ میں ان تمام مخالفتوں کے باوجود ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جو کہ ان انبیاء پر ایمان لاتے رہے ہیں مگر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی آنکھ تقویٰ کی آنکھ ہوتی ہے اور جو لوگ

اپنے ذہنوں کے قائم کردہ تصور پر اڑنے کی بجائے دیانت داری اور خدا ترسی کے ساتھ آنے والے وجود کی علامات پر غور کرتے ہیں اور بجائے استہزاء اور تکبر کے فروتنی کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے راہنمائی چاہتے ہیں۔ ان کی اس خوبی کی وجہ سے انہیں وہ نور نظر آجاتا ہے۔ وہ نور جو ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرھم کو محمد مصطفیٰ ﷺ میں نظر نہیں آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو وہ نظر آجاتا ہے۔ اس لئے انبیاء کے معاملہ میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس گزارش کے ساتھ مولوی صاحب کے اعتراضات ترتیب وار بمع جوابات بیان کئے جاتے ہیں۔

نمبر۱: مجدد آخرالزماں

صفحہ ۵ پر لدھیانوی صاحب نے حدیث مجددین کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۳ کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے:۔

’’مرزا صاحب نے اپنی مسیحیت کی دلیل کو تین مقدموں سے ترتیب دیا ہے۔

(الف) ارشاد نبویؐ ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوگا۔

(ب) اہل سنت کا اتفاق کہ آخری صدی کا آخری مجدد مسیح ہوگا۔

(ج) یہود و نصاریٰ کا اتفاق کہ مرزا صاحب کا زمانہ آخری زمانہ ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ اگر چودھویں صدی آخری صدی ہے تو اس میں آنے والا بھی آخری مجدد ہوگا اور جو آخری مجدد ہوگا لازماً وہی مسیح موعود بھی ہوگا۔ لیکن اگر صدی کے ختم ہونے پر پندرھویں صدی شروع ہوگئی تو فرمودہ نبویؐ کے مطابق اس کے سر پر کوئی اور مجدد آئے گا۔ اس کے بعد سولہویں صدی شروع ہوئی تو لازماً اس کا بھی کوئی مجدد ضرور ہوگا۔ پس نہ چودھویں صدی آخری زمانہ ہوا نہ مرزا صاحب آخری مجدد ہوئے۔ لہذا جب وہ آخری مجدد نہ ہوئے تو مہدی یا مسیح بھی نہ ہوئے۔‘‘ (شناخت صفحہ ۵، ۶)

اس تمام تر اعتراض میں لدھیانوی صاحب نے دانستہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباس پر وہ معنی چسپاں کر دیئے ہیں جو مولوی صاحب کے

اپنے ذہن کے مطابق ہیں بلکہ اس میں تحریف بھی کر دی ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقتباس واضح ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

’’اور یہ بھی اہل سنت کے درمیان متفق علیہ امر ہے کہ آخری مجدد اس امت کا مسیح موعود ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اب تنقیح طلب امر یہ ہے کہ یہ آخری زمانہ ہے یا نہیں ؟ یہود و نصاریٰ کی دونوں قومیں اس پر اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ آخری زمانہ ہے۔ اگر چاہو تو پوچھ لو۔‘‘ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵) (شناخت صفحہ ۵)

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخری زمانہ کے مجدد کو مسیح موعود قرار دیا ہے اور اس دور کو آخری قرار دیا ہے۔

لیکن لدھیانوی صاحب نے دھوکہ دیتے ہوئے جو دوسرا قضیہ ’’ب‘‘ قائم کیا ہے اور جس پر ان کے سارے استدلال کی بنیاد ہے اس میں زمانہ کی بجائے ’’آخری صدی کا آخری مجدد‘‘ (صفحہ ۶) کے الفاظ کر دیئے ہیں۔ حالانکہ یہاں پر کہیں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کلمات نہیں لکھے کہ ’’آخری صدی کا آخری مجدد مسیح ہوگا‘‘

مولوی صاحب کو چاہئے تھا اور دیانتداری کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ اگر وہ زمانہ سے مراد صدی سمجھ رہے تھے تو پہلے اس کا تعین کر لیتے کہ کیا ’’آخری زمانہ‘‘ اور ’’آخری صدی‘‘ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں؟ اور اس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ ’’آخری زمانہ‘‘ کا مطلب ان کی دیگر تحریروں سے دیکھتے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدد بھی ہے اور مجدد الف آخر بھی۔ اس بات میں نصاریٰ اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ ساتواں ہزار ہے اور خدا نے جو سورۃ والعصر کے اعداد سے تاریخ آدم میرے پر ظاہر کی اس سے بھی یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے اور نبیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا۔‘‘ (لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۰۸)

اس بیان سے واضح ہے کہ مسیح موعود آخری زمانے یعنی ہزار سال کا مجدد بھی ہے اور

جس صدی میں وہ آئے گا اس کا مجدد بھی ہوگا لیکن وہ صدی آخری صدی نہ ہوگی۔

پس آخری زمانہ سے مراد ’’آخری ہزار سال کا دور ہے‘‘ نہ کہ آخری صدی اور آپؑ اس لحاظ سے آخری زمانہ یعنی ساتویں ہزار سال کے مجدد بھی ہیں۔ پس حضرت مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد بھی ہوئے اور آخری زمانہ جو ہزار سال پر محیط ہے اس کے بھی مجدد ہوئے۔ اس لئے اب کوئی اگلا مجدد نہیں آئے گا بلکہ فرمودہ نبویؐ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلفاء ہی مجدد صدی بھی ہوں گے۔ ’’صدی کے سر پر‘‘ تاریخ اسلام میں کیا خلفاء راشدین کے زمانے میں کوئی اور مجدد آیا؟ پس اس حدیثِ مجددین سے مراد اس زمانہ کی ہر صدی ہے جس میں کوئی خلیفہ نہ ہو۔ آخری دور کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا **ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْہَاجِ النُّبُوَّۃِ**۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرقاق باب الانذار والتحذیر الفصل الثالث)

اگر مسیح موعود کی صدی آخری ہوگی تو خلافت کب آئے گی؟ یہاں خلیفہ سے مراد مہدی یا مسیح نہیں ہوسکتا کیونکہ خلافت علی منہاج النبوۃ تو انتخاب کے ذریعہ قائم ہوگی اور خلیفہ نبی کے بعد ہوتا ہے یا خلیفہ کے بعد۔ مسیح ومہدی کا تقرر تو الہام سے ہوگا۔ پس مسیح موعود کے بعد آنے والی خلافت کا زمانہ حدیث مجددین کے تحت نہیں آتا۔

لیکن مولوی صاحب کو ایک بڑی مشکل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ یہ خود دیوبندی علماء حدیثِ مجددین کو صحیح مانتے ہیں۔ اس کے مطابق گزشتہ صدیوں کے مجددین کے ظہور کے بھی قائل ہیں۔ پس اگر یہ حدیث صحیح ہے تو مولوی صاحب بتائیں کہ چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟ اور پھر بقول مولوی صاحب:۔

’’اگر اس صدی کے ختم ہونے پر پندرھویں صدی شروع ہوگی تو فرمودہ نبویؐ کے مطابق اس کے سر پر کوئی مجدد آئے گا۔ اس کے بعد سولہویں شروع ہوئی تو لازماً اس کا بھی کوئی مجدد ضرور ہوگا۔‘‘ (شناخت صفحہ ۶)

پس اب تو چودھویں صدی ختم ہوگئی مگر آپ کا کوئی مجدد نہ آیا۔ پندرھویں صدی شروع ہوچکی ہے مگر آپ کی طرف کوئی مجدد نہ آیا نہ آئے گا اور پھر سولہویں صدی شروع ہوگی مگر آپ

جیسے لوگ کسی مجدد کا چہرہ دیکھنے سے محروم رہیں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا کیونکہ جس مجدد نے آنا تھا وہ وقت پر آچکا۔ وہ فیضان اللہ تعالیٰ نے فرمودہ رسولؐ کے مطابق جاری فرما دیا ہے۔ یہ وہ مجدد ہے جو چودھویں صدی کا بھی مجدد اور آخری ہزار سال کا بھی مجدد ہے۔

میں وہ ہوں نور خدا جس سے ہوا دن آشکار　　میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
عمر دنیا سے بھی اب ہے آ گیا ہفتم ہزار　　سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں

نمبر۲: مدت قیام مسیح

لدھیانوی صاحب نے کتاب کے صفحہ ۶ اور ۷ پر ”مسیح کتنی مدت قیام فرمائیں گے“ کے زیر عنوان یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرزا صاحب حدیث میں بیان شدہ چالیس سالہ قیام فی الرض کے معیار پر پورے نہیں اترے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک بنیادی بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر وہ طے نہ ہو اور اس کا تصفیہ نہ ہو تو معاملہ الجھا رہے گا۔

وہ امر یہ ہے کہ قریباً ہر زبان میں محاورہ پایا جاتا ہے کہ کسی کی عمر بیان کرتے ہوئے دہائیوں پر کسور کو حذف کر دیا جاتا ہے اور پیشگوئیوں پر تو خاص طور پر یہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً مشہور حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا وَلَا اَرَانِیْ اِلَّا ذَاھِبًا عَلٰی رَأْسِ سِتِّیْنَ۔

نواب صدیق حسن خان حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸ مطبع شاہجہانی بھوپال)

فرمایا کہ میں ساٹھ (۶۰) کے سر پر جاؤں گا یعنی میری عمر ساٹھ سال ہوگی۔ یہ معروف تاریخی حقیقت ہے کہ آپؐ کی عمر مبارے ۶۳ سال ہوئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دہاکوں میں اس دہاکہ سے نصف پہلے اور نصف بعد دراصل اس کے اندر شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر امام مہدی کی عمر کے متعلق بھی اختلاف کا حل کیا گیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا عرصہ قیام ۴۰ سال اور دوسری کے مطابق ۴۵ سال ہے۔ اس بظاہر تضاد کا حل کرتے ہوئے مشہور کتاب نبراس شرح عقائد نسفی صفحہ ۵۸۷ پر لکھا ہے:۔

”وَجَاءَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّہٗ یَمْکُثُ خَمْسًا وَاَرْبَعِیْنَ ... فَلَا یُنَافِیْہِ حَدِیْثُ

اَرْبَعِیْنَ لِاَنَّ النَّیِّفَ کَثِیْرًا مَا یَحْذَفُ عَنِ الْعَشَرَاتِ''

(حافظ محمد عبدالعزیز الفرھاری شرح لشرح العقائد المسمی بالنبراس صفحہ ۵۸۷ مطبع الھاشمی میرٹھ زیر عنوان ذکر یاجوج و ماجوج ونزول عیسیٰ)

یعنی ایک حدیث میں ہے کہ امام مہدی ۴۵ برس قیام فرمائیں گے۔ یہ دوسری حدیث جس میں چالیس برس آتا ہے کے خلاف نہیں کیونکہ عام طور پر کسور کو دہاکوں سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسور دہاکوں کے بیان میں حذف ہوجاتی ہے ہیں اور مسیح کے قیام فی الارض کے بارہ میں تو یہ اصول مانا جاچکا ہے۔ اس طرح پینتیس (۳۵) سے چالیس (۴۰) اور دوسری طرف ۴۰ سے ۴۵ تک کو اگر درمیانی عدد ۴۰ سے بیان کیا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ اگر مسیح یا کسی بھی شخص کے بارہ میں کہا جائے کہ وہ چالیس برس رہے گا تو ۳۵ سال سے ۴۵ سال تک کا عرصہ مراد ہوسکتا ہے۔ اس میں سے جتنا بھی اس کا قیام ہوگا وہ چالیس میں ہی شمار ہوگا جیسا کہ نبراس میں درج ہے۔

آپ نے اس پمفلٹ میں نشان آسمانی کا حوالہ پیش کیا ہے تا کہ آپ یہ تاثر دے سکیں کہ مرزا صاحب کے بیانات بھی آپ کی تصدیق کر رہے ہیں تو سنئے کہ حضرت مرزا صاحب نے بھی اسی اصول کو ہی مانا ہے جو عرض کیا جاچکا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو الہام فرمایا:۔

''ثَمَانِیْنَ حَوْلاً اَوْقَرِیْباً مِنْ ذَالِکَ'' کہ تیری عمر اسّی برس یا اس کے قریب ہوگی۔

حضورؑ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

''جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۹۵)

پھر حضورؑ کو الہام ہوا:۔

''اسّی یا اس سے پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم''

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۰)

اس قطعی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مرزا صاحب چالیس سال سے پانچ سال کم یا پانچ سال زیادہ پالیں تو آپ کے متعلق چالیس سال کی یہ پیشگوئی پوری ہو جائے گی۔

اب دیکھئے جو حوالہ آپ نے پیش کیا ہے اس میں درج ہے کہ:۔

’’یہ عاجز عمر کے چالیسویں برس دعوت حق کے لئے بالہام خاص مامور کیا گیا۔‘‘

(نشان آسمانی صفحہ ۱۳۔ بحوالہ شناخت صفحہ ۷)

گویا چالیس سال کی عمر میں آپؑ مامور من اللہ ہو چکے تھے اور روحانی دنیا کے بادشاہ بنائے جا چکے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں جب کہ آپؑ مامور من اللہ ہوئے اس وقت کون سا سال تھا خود فرماتے ہیں:۔

’’یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوے ہجری ۱۲۹۰ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ ومخاطبہ پا چکا تھا۔‘‘

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸)

نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۲۹۰ھ میں آپؑ کی عمر چالیس سال تھی اور اس وقت آپؑ مامور من اللہ بنائے گئے۔ اب یہ ایک مشہور اور مستند بات ہے کہ آپؑ کی وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۸۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ اب ۱۳۲۶-۱۲۹۰=۳۶ سال۔

اگر اس میں ماموریت سے پہلے کے چالیس سال جمع کر لیں تو کل ۷۶ سال عمر ہوئی جو پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔

آپؑ کی عمر مامور من اللہ ہونے کے بعد سے وفات تک ۳۶ سال قمری بنتی ہے اور یہ عمر مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں چالیس کے دہاکے میں شامل ہے۔ اس طرح آپؑ اس پیشگوئی کے مطابق اپنی زندگی پوری فرما گئے اور مولوی صاحب ابھی تک عناد کے پردوں میں لپٹے ہوئے مخالفت کی راہوں میں آگے سے آگے جا رہے ہیں اور پیشگوئی کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے من پسند معنوں کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں۔

لدھیانوی صاحب آپ اپنے ہی پیش کردہ حوالہ کو پڑھیئے:۔

''اب واضح رہے کہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لئے بالہام خاص مامور کیا گیا اور بشارت دی گئی کہ اسّی برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے۔'' (نشان آسمان صفحہ ۱۳۔ بحوالہ شناخت صفحہ ۶، ۷)

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اسّی برس یا اس کے قریب عمر ہوگی اور اس میں سے ۴۰ (چالیس) نکال دیں جب آپؑ مامور من اللہ ہوئے تو نتیجہ نکلا کہ چالیس برس یا اس کے قریب ہوگی۔ اب فرمائیے کہ چھتیس کا عدد آپ کے خیال میں چالیس کے قریب ہے یا نہیں؟

پس قمر لحاظ سے حضرت مرزا صاحب نے فرمودہ نبیؐ اور اپنے اوپر نازل ہونے والے الہامات کے مطابق عمر پالی ہے۔ لیکن آپ کو اپنے ہی بیان کردہ معیار پر اصرار ہو تو یہ جائز نہیں اس موقع پر آپ کے سامنے آپ ہی کے بزرگ قاری محمد طیب صاحب کا یہ بیان رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

''علماء دیو بند کا مسلک اس بے انصاف روش کو برداشت نہیں کرتا کی کسی برگزیدہ شخصیت کے کسی مبہم یا موھم قول کو زور لگا کر کسی باطل معنی پر محمول کرنے کی سعی کی جائے۔ جب کہ اس کا اصلی اور صحیح محمل موجود بھی ہو۔ اس پر کلام محمول بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی زندگی اس محمل کی مقتضی بھی ہو اور ساتھ ہی اس کے کلام کا اوّل و آخر اس محمل کو چاہتا بھی ہو مگر پھر بھی پورا زور لگا کر اور پوری سعی اور ہمت کر کے اسے غلط ہی معنے پہنائے جائیں اور اس کی پارسانہ زندگی کو کسی نہ کسی طرح مخدوش و مجروح ٹھہرایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ دین ہے نہ دیانت، نہ عدل ہے نہ انصاف، نہ عقل ہے نہ نقل بلکہ عناد ہے جو مسلکی چیز نہیں صرف جذباتی بات ہے۔'' (مولانا قاری محمد طیب مسلک علماء دیو بند ۱۹۹۴ء شکیل پرنٹنگ پریس ناشر دارالاشاعت کراچی صفحہ ۴۰)

مجھے امید ہے کہ مولوی صاحب عناد اور جذبات سے کام نہیں لیں گے اور حقیقت کو سمجھنے کی کوشش فرمائیں گے۔ بات تو بڑی واضح ہے:۔

۱۔ احادیث میں مسیح کے قیام فی الارض کی مدت میں اختلاف ہے۔ اس لئے علماء اصول نے یہ

طے کر دیا ہے کہ اس پیشگوئی سے مراد قطعی طور پر چالیس کا عدد نہیں بلکہ چالیس کے قریب قریب یعنی پینتیس سے چالیس یا چالیس سے پینتالیس سال کی عمر مراد ہے۔

۲۔ آپ نے حضرت مرزا صاحب کی کتاب نشان آسمانی سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے بھی چالیس سال کی عمر کو ہی بطور علامت مسیح کے قبول کیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس حوالہ میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ:۔

۱۔ آپ چالیس سال کی عمر میں دعوت حق کے لئے مامور ہوئے۔

۲۔ بشارت دی گئی کہ اسّی برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے۔

اس میں دوسرا قضیہ ہی صاف بتا رہا ہے کہ دعوت حق پر مامور ہونے کے بعد آپؑ چالیس یا اس کے قریب عمر پائیں گے۔ اس طرح الہام اسّی (۸۰) یا اس کے قریب عمر پانے کا پورا ہو جائے گا۔ نیز اس کے علاوہ خود حضرت مرزا صاحب نے چوہتر سے چھیاسی سال کے اندر عمر پانے کی وضاحت فرما دی ہے اور پھر ساتھ ہی چالیس سال کی عمر میں مامور ہونے کا اعلان فرما کر بتا دیا ہے کہ آپؑ کی عمر مامور ہونے کے بعد چالیس یا اس کے قریب ہوگی۔

اس لئے مولوی صاحب کی یہ قطعی غلطی ہے کہ انہوں نے صرف چالیس سالہ مدت پر حصر کر دیا ہے اور اسے حدیث اور حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

۳۔ تیسری غلطی مولوی صاحب نے یہ کی ہے کہ حدیث میں چالیس یا اس سے کم وبیش عمر پانے کا ذکر ہے۔ مولوی صاحب نے بجائے اسلامی سال مراد لینے کے انگریزی سال مراد لے لئے اور اس طرح اس معیار پر مرزا صاحب کو جانچنے لگے حالانکہ اوّل حق تو یہ تھا کہ اسلامی سال مراد لیتے اور خود مولوی صاحب نے نشان آسمانی کا جو حوالہ پیش کیا ہے اس میں حضرت مرزا صاحب نے اسلامی سال ہی مراد لئے ہیں کیونکہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

”یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لئے بالہام خاص مامور کیا گیا۔“
(شناخت صفحہ ۶، ۷) اور یہ چالیس سال قمری بنتے ہیں نہ کہ شمسی“

مزید وضاحت کے لئے حضرت مرزا صاحب کا یہ حوالہ پڑھیں۔ فرماتے ہیں:۔

’’ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ ومخاطبہ پاچکا تھا۔‘‘
(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸)

یہاں پر بھی آپؑ نے قمری سال مراد لئے ہیں۔

الغرض حدیث نبویؐ کا منشاء بھی اسلامی ہونے کے لحاظ سے قمری سال ہی ہے اور حضرت مرزا نے بھی قمری سال ہی مراد لئے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کے بعد چھتیس سال عمر پائی جو پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔

پس اگر مولوی صاحب عیسوی سن اور شمسی سالوں پر اصرار کرنے کی بجائے اسلامی سن اور قمری سال مراد لیتے تو انہیں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔

نمبر ۳: شادی اور اولاد

مولوی صاحب نے کتاب کے صفحہ ۷ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے ’’احوال شخصیہ‘‘ کے زیر عنوان جو اعتراض اٹھایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

مسیح موعود زمین پر آکر شادی کریں گے اور آپ کی اولاد ہوگی۔ اس حدیث کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۳ مطبوعہ ۱۸۹۶ء کا ایک پیرا گراف ملایا گیا ہے جس میں حضورؑ نے اس حدیث کو صحیح مانتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پیشگوئی کو ضرور پورا فرمائے گا۔ مولوی صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

’’جناب مرزا صاحب کی یہ تحریر ۱۸۹۶ء کی ہے اس وقت مرزا صاحب کی دو شادیاں ہو چکی تھیں اور ان دونوں سے اولاد بھی موجود تھی مگر بقول ان کے اس میں کچھ خوبی نہیں لیکن جس شادی کو بطور نشان ہونا تھا اور اس سے جو خاص اولاد ہونی تھی جس کی تصدیق کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ فرمایا تھا وہ مرزا صاحب کو نصیب نہ ہوسکی۔‘‘ (شناخت صفحہ ۸)

الجواب:۔ اس اعتراض کے ضمن میں گزارش ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انجام آتھم والا حوالہ درحقیقت محمدی بیگم صاحبہ کے ساتھ نکاح والی شرطی پیشگوئی کے ضمن میں ہے اور یہاں نکاح اور تزوج سے مراد محمدی بیگم صاحبہ کے ساتھ نکاح ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

حضرت مرزا صاحب نے اس پیشگوئی کی تکمیل کو اس نکاح کے ساتھ خاص سمجھا جو درست نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اس غلطی پر زیادہ دیر قائم نہ رہنے دیا بلکہ اصلاح فرمادی۔ چنانچہ انجام آتھم جو کہ ۱۸۹۶ء کی تصنیف ہے اس میں آپ نے اس پیشگوئی میں مذکور نکاح کو محمدی بیگم کے ساتھ نکاح خیال فرمایا مگر اس کے جلد بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی اصلاح اور ۱۹۰۰ء میں اپنی تصنیف اربعین میں آپؑ نے اس پیشگوئی کا تحقق حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کے نکاح اور ان کے ذریعہ ہونے والی مبشر اولاد کا ذکر فرمایا اور تادم آخر آپؑ اسی عقیدہ پر قائم رہے۔

اجتہادی غلطی کا مامورین من اللہ سے ہونا ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے دیوبندی علماء کو بھی انکار نہیں ہے اور قرآن وحدیث سے یہ امر ثابت ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ میں آپ کے اہل کو عذابِ سیلاب سے بچاؤں گا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اجتہاداً اپنے بیٹے کو جو کہ نافرمان تھا اپنے اہل میں شامل خیال فرمایا۔ چنانچہ جب ان کا بیٹا غرق ہوگیا تو انہوں نے اللہ کے حضور عرض کیا رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ ۔ (ھود:۴۵) ”اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے“ (ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی معجز نما عکسی قرآن مجید مترجمہ بہ دو ترجمہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ترجمہ سورۃ ھود:۴۵)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ (ھود:۴۶) یعنی ”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا۔ یہ تباہ کار ہے۔ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں“ (ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی)

ان آیات پر حاشیہ یہ لکھا ہے:۔

”نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے غریق کے حال پر سوال کیا کہ یہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے ہے اور تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور تیرا وعدہ سچا ہوا کرتا ہے تو پھر یہ کس طرح ڈوب گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے جن لوگوں کو نجات دینے کا وعدہ تجھ سے کیا تھا یہ ان میں سے

نہ تھا۔ ناجی وہ تھے جو تیرے گھر والوں میں سے ایمان لائے تھے۔''

(معجز نما عکسی قرآن مجید مترجمہ بہ دو ترجمہ حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۳۱۶ سورہ ھود)

اس بیان قرآنی سے واضح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے الہام کے معانی سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی اجتہادی غلطی کی بعض مثالیں ہمیں احادیث میں ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک مثال نمونہ کے طور پر یہ ہے کہ بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

''رَایْتُ فِیْ الْمَنَامِ اَنِّیْ اُھَاجِرُ مِنْ مَکَّۃَ اِلٰی اَرْضٍ بِھَا نَخْلٌ فَذَھَبَ وَھْلَیْ اِلٰی اَنَّھَا الْیَمَامَۃُ اَوْ ھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ الْمَدِیْنَۃُ یَثْرِبُ ''

(بخاری کتاب بنیان الکعبۃ باب ھجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ)

فرمایا میں نے رؤیا میں کھجوروں والے علاقہ کی طرف ہجرت کی۔ میں نے خیال کیا اس سے مراد یمامہ یا ھجر ہے۔ مگر بعد میں کھلا اس سے مراد یثرب کا شہر ہے۔

اس قسم کے واقعات کی بناء پر اہل سنت کے علماء اصول علم کلام نے یہ لکھا ہے کہ:۔

''اَنَّ النَّبِیَّ صَلْعَمْ قَدْ یَجْتَھِدُ فَیَکُوْنُ خَطَاءً''

(حافظ محمد عبدالعزیز الفرھاری شرح العقائد المسمی بالنبراس صفحہ ۳۹۲ مطبع الہاشمی میرٹھ)

''کہ آنحضرت ﷺ بسا اوقات اجتہاد فرماتے اور وہ درست نہ ہوتا'' الغرض انبیاء کا اجتہادی غلطی کرنا بوجہ بشریت کے ممکن ہے تاہم اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح ضرور فرما دیتا ہے اور یہاں پر بھی یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ دیر تک حضرت مسیح موعود کو اس اجتہادی غلطی پر قائم نہ رہنے دیا۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں اربعین مین آپؑ لکھتے ہیں:۔

''کئی برس پہلے خبر دی گئی تھی یعنی مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی اور اس مین سے اولاد ہوگی تا کہ پیشگوئی حدیث ''یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہٗ'' پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندان سادات سے تعلق دامادی ہوگا کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے وعدہ ''یُوْلَدُلَہٗ'' کے موافق صالح اور نیک اولاد اعلیٰ اور طیب

خاندان چاہیئے اور وہ خاندان سادات ہے‘‘

(اربعین نمبر۲ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۸۵ حاشیہ)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خاندان سادات سے نہ صرف تعلق دامادی بخشا بلکہ اس کے ذریعے سے آپؑ کو خاص اولاد عطا فرمائی۔ چنانچہ آپؑ کی تمام کی تمام اولاد مبشر اولاد تھی یعنی ہر ایک پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خوشخبریاں دیں۔ اس لحاظ سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

’’اس پیشگوئی میں یہ بات بتائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو ایسی اولاد دے گا جو کہ اس کے مشابہ ہوگی اور اس کی نافرمان نہ ہوگی‘‘

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۷۸ حاشیہ)

اس کے عین مطابق آپؑ کی اولاد نیک اور آپؑ کے مشن کو آگے بڑھانے میں ہمیشہ کوشاں رہی ہے۔

نمبر۴: حج وزیارت

مولوی صاحب نے کتاب کے صفحہ ۸ پر ’’حج وزیارت‘‘ کے عنوان کے تحت یہ اعتراض کیا ہے کہ:۔

’’آنحضرت ﷺ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے سوانح کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حج وعمرہ کرنے اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرنے کو بطور خاص ذکر فرمایا ہے ......مگر سب دنیا جانتی ہے مرزا صاحب حج وزیارت کی سعادت سے آخری لمحہ حیات تک محروم لہذا اس معیار نبویؐ کے مطابق بھی مسیح موعود نہ ہوئے۔‘‘ (شناخت صفحہ ۸،۹)

الجواب:۔ (۱) مولوی صاحب نے کسی حدیث رسول ﷺ کو پیش نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ جو معیار مولوی صاحب پیش کر رہے ہیں وہ کن الفاظ میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ اگر آپ اس حدیث سے استنباط کر رہے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مسیح موعود علیہ السلام کے طواف کعبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

’’بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْکَعْبَۃِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوْا ابْنُ مَرْیَمَ ‘‘(بخاری کتاب الفتن باب الدجال)

اس کشف اور رؤیا میں آنے والے مسیح کو بھی طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ آنحضرتؐ نے آنے والے مسیح دجال کو بھی طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔

’’فَاِذَا رَجُلٌ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوْا الْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ ‘‘

(بخاری کتاب بداء الخلق باب واذ کرفی الکتاب مریم)

فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو طواف کعبہ کرتے دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جواب دیا گیا کہ مسیح دجال ہے۔

اب یہ بات واضح اور مسلمات فریقین میں سے ہے کہ مسیح محمدیؐ کا کام مسیح الدجال کا قتل کرنا ہے۔ جب مسیح الدجال بھی طواف کعبہ کرتا ہے تو مسیح محمدیؐ کے طواف کعبہ کا مطلب یقیناً اس کے فتنہ سے کعبہ کی حفاظت ہوگا۔ کعبہ سے مراد دراصل دین خداوندی یعنی اسلام ہے کیونکہ کعبہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ قبلہ ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی علامت ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسیح الدجال ویرانی کعبہ یعنی بربادی دین اسلام کے لئے کوشش کرے گا مگر مسیح محمدیؐ اس کی حفاظت کے لئے طواف کعبہ یعنی حمایت اسلام کا فریضہ سرانجام دے گا۔ گویا جس طور پر دجال دین اسلام کو ضرر پہنچانے کے لئے حملے کرے گا اسی طور پر مسیح محمدیؐ فریضہ دفاع سرانجام دیں گے۔ یا یہ کہ مسیح محمدیؐ اس وقت طواف کرے گا جب کہ مسیح الدجال بھی مسیح محمدیؐ کی کوششوں سے اسلام میں داخل ہو جائے گا اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرے گا یعنی دین اسلام کی دشمنی کی بجائے دین اسلام کی حفاظت کا کام سرانجام دینا شروع کردے گا۔

چنانچہ علماء نے بھی اس کا یہی حل پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

’’یہ حضرتؐ کے مکاشفات میں سے ہے۔ خواب میں تعبیر اس کی یہ ہے کہ آنحضرتؐ

کو دکھایا کہ ایک روز ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام گرد دین کے پھریں گے واسطے قائم کرنے کے دین کے اور درستی کرنے خلل و فساد اس کے اور دجال بھی پھرے گا گرد دین کے بقصد خلل اور فساد ڈالنے کے دین میں کَذَا قَالَ الطَّیْبِیْ۔ ‘‘

(مشکوٰۃ مترجم بمعہ حواشی مفیدہ مظاہر حق جلد نمبر۴ صفحہ ۳۶۰ حاشیہ مطبع عالمگیر پریس لاہور حسب فرمائش شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور)

یہی وہ نکتہ ہے جس کی وضاحت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اور خود مولوی صاحب نے اسے اپنی کتاب مین درج کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

’’میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب دیں کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو کیا اوّل اس کا یہ فرض ہونا چاہئیے کہ مسلمانوں کو دجال کے خطرناک فتنوں سے نجات دے یا ظاہر ہوتے ہی حج کو چلا جائے۔ اگر بموجب نصوص قرآنیہ وحدیثیہ پہلا فرض مسیح موعود کا حج کرنا ہے نہ دجال کی سرکوبی تو وہ آیات اور احادیث دکھلانی چاہئیں تا ان پر عمل کیا جائے اور اگر پہلا فرض مسیح موعود کا جس کے لئے وہ باعتقاد آپ کے مامور ہو کر آئے گا قتل دجال ہے جس کی تاویل ہمارے نزدیک اھلاک ملل باطلہ بذریعہ حجج وآیات ہے تو پھر وہی کام پہلے کرنا چاہئے۔ اگر کچھ دیانت وتقویٰ ہے تو ضرور اس بات کا جواب دو کہ مسیح موعود دنیا میں آکر پہلے کس فرض کو ادا کرے گا۔ کیا پہلے حج کرنا اس پر فرض ہوگا یا یہ کہ پہلے دجالی فتنوں کا قصہ تمام کرے گا۔ یہ مسئلہ کچھ باریک نہیں ہے۔ صحیح بخاری یا مسلم کے دیکھنے سے اس کا جواب مل سکتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ گواہی ثابت ہو کہ پہلا کام مسیح موعود کا حج ہے تو لو ہم بہر حال حج کو جائیں گے۔ ہر چہ بادا باد۔ لیکن پہلا کام مسیح موعود کا استیصال فتن دجالیہ ہے تو جب تک اس کام سے ہم فراغت نہ کرلیں حج کی طرف رخ کرنا خلاف پیشگوئی نبویؐ ہے۔ ہمارا حج تو اس وقت ہوگا جب دجال بھی کفر اور دجل سے باز آکر طواف بیت اللہ کرے گا کیونکہ بموجب حدیث صحیح کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کا ہوگا۔ دیکھو وہ حدیث جو مسلم میں لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود اور دجال کو قریب قریب وقت میں حج کرتے دیکھا۔ یہ مت کہو کہ دجال قتل ہوگا کیونکہ آسمانی حربہ جو مسیح موعود کے ہاتھ میں ہے کسی کے جسم کو قتل نہیں کرتا بلکہ

وہ اس کے کفر اور اس کے باطل عذرات کو قتل کرے گا اور آخر ایک گروہ دجال کا ایمان لا کر حج کرے گا۔ سو جب دجال کو ایمان اور حج کے خیال پیدا ہوں گے وہی دن ہمارے حج کے بھی ہوں گے۔ اب تو پہلا کام ہمارا جس پر خدا نے ہمیں لگایا ہے دجالی فتنہ کو ہلاک کرنا ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے آقا کی مرضی کے برخلاف کام کر سکتا ہے؟''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۴۱۶، ۴۱۷)

یہاں حضرت ابو حازم مکی کا واقعہ بیان کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے:۔

''ایک بزرگ حج کا قصد کر کے بغداد میں ابو حازم سے ملاقات کے لئے پہنچے تو آرام فرما رہے تھے۔ چنانچہ کچھ دیر بعد جب آپ بیدار ہوئے تو فرمایا کہ میں نے خواب میں حضور اکرمؐ کی زیارت سے مشرف ہوا اور حضورؐ نے آپ تک ایک پیغام پہنچانے حکم دیا کہ اپ اپنی والدہ کے حقوق کو نظر انداز نہ کریں کیونکہ یہ حج کرنے سے کہیں بہتر ہے لہذا واپس جایئے اور والدہ کی خوشی کا خیال رکھئے۔ چنانچہ وہ حج کا قصد کر کے واپس ہو گئے۔''

(تذکرۃ الاولیاء مرتبہ حضرت شیخ فرید الدین عطار۔ ذکر حضرت ابو حازم مکی۔ باب نمبر ۷ صفحہ ۳۵۔ ناشر اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور)

بتایئے ماں کی خدمت جب حج سے بہتر ہو سکتی ہے تو پھر دین محمد مصطفیٰ کی خدمت اور اس کی حفاظت جب کہ شرائط حج بھی پوری نہ ہو رہی ہوں آپ کے خیال میں اگر ظاہری حج سے بہتر نہیں تو کیا کم از کم حج کے قائمقام ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ فَتَدَبَّرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔

ظاہری حج کو اللہ تعالیٰ نے بعض شرائط کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو حج اللہ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ وہ شرائط یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً'' (آل عمران ۹۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ان لوگوں پر جو استطاعت رکھتے ہوں حج بیت اللہ فرض ہے۔

استطاعت میں رستہ کا امن اور صحت کا بھی دخل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ

دونوں شرائط حاصل نہ تھیں کیونکہ حجاز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا تھا۔ رسول کریمؐ کی سنت سے رستہ کے امن کی شرط ثابت ہے کیونکہ جب آپؐ طواف کعبہ کے لئے گئے اور حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے تو آپؐ واپس چلے گئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی رکے رہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”حج کا مانع صرف زادراہ نہیں اور بہت سے امور ہیں جو عنداللہ حج نہ کرنے کے لئے عذر صحیح ہیں۔ چنانچہ ان میں سے صحت کی حالت میں کچھ نقصان ہونا ہے اور نیز ان میں سے وہ صورت ہے کہ جب راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً (آل عمران ۹۸) عجیب حالت ہے کہ طرف بداندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لئے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جب کہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہو اس جگہ جانے سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ فتنہ کے دنوں میں آنحضرت ﷺ نے کبھی حج نہیں کیا اور حدیث اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنہ کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکہ والوں میں ہمارا کفر مشہور کرنا اور پھر بار بار حج کے بارے میں اعتراض کرنا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔ ذرہ سوچنا چاہئے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں فکر پڑ گئی۔ کیا اس میں بجز اس بات کے کوئی اور بھید بھی ہے کہ میری نسبت ان کے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکہ کو جائیں اور پھر چند اشرار الناس پیچھے سے مکہ میں پہنچ جائیں اور شور قیامت ڈال دیں کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرنا چاہئے۔ سو بروقت ورود حکم الٰہی ان احتیاطوں کی پروا نہیں کی جائے مگر قبل اس کے شریعت کی پابندی لازم ہے اور مواضع فتن سے اپنے تئیں بچانا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ مکہ میں عنان حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں جو ان مکفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھہراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذاء سے کچھ فرق کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔ (البقرہ ۱۹۶) پس ہم گناہگار ہوں گے اگر دیدہ دانستہ تہلکہ کی

طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے۔ حج کرنا مشروط بشرائط ہے مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لئے قطعی حکم ہے۔ جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی جس کی شرط موجود ہے باوجود تحقق شرط کے پیروی اختیار کریں۔‘‘ (ایام الصلح روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۴۱۵۔۴۱۶)

پس حکم قرآنی کے عین مطابق اور شریعت کے حکم کے تابع حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود حج پر تشریف نہ لے جاسکتے تھے۔

نمبر۵: مدفن مسیح علیہ السلام

اسی رسالہ کے صفحہ ۹ پر ’’وفات اور دفن‘‘ کے زیر عنوان لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:۔

’’آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی مدت قیام پوری کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگا۔ مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور انہیں روضہ اطہر میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں دفن کیا جائے گا...... اور سب دنیا جانتی ہے کہ مرزا صاحب کو روضہ اطہر کی ہوا بھی نصیب نہ ہوئی‘‘ (صفحہ ۹، ۱۰)

الجواب:۔ مولوی صاحب نے اس اعتراض کو اٹھاتے ہوئے بھی غلط طرز عمل اختیار کیا ہے اور رسول خداؐ کے وعید وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ سے بھی خوف نہیں کھایا۔ (بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبیؐ)

مولوی صاحب نے جو الفاظ درج کئے ہیں یہ نہ تو کسی حدیث کا ترجمہ ہے اور نہ مفہوم۔ یہاں پر پوری حدیث کا متعلقہ حصہ درج کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین خود انصاف کر سکیں۔ فرمایا:۔ ’’ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسىٰ بْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ ‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن الفصل الثالث باب نزول عیسیٰ)

ترجمہ یہ ہے کہ پھر وہ وفات پائیں گے اور میری قبر میں دفن کئے جائیں گے (قیامت

کے دن) میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر سے ابی بکر و عمر کے درمیان سے اٹھیں گے۔

(مشکوٰۃ شریف کامل اردو مترجمہ علامہ آغا رفیق بلند شہری۔ جید برقی پریس دہلی۔ شائع کنندہ سید عزیز حسن بقائی نقشبندی دہلوی حصہ دوم صفحہ ۸۹۷ زیر عنوان حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے کا واقعہ)

مولوی صاحب نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے قبر کی جگہ ''روضہ اطہر'' یعنی مقبرہ اور ابوبکر و عمر کے درمیان کی جگہ ''ابوبکر و عمر کے پہلو'' کر دیا ہے۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر حدیث کے کلمات کے مطابق ترجمہ کرتے تو ان کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا اور اس صورت میں اس کا ظاہری مفہوم لینا ممکن نہیں تھا بلکہ اس صورت میں مولوی صاحب کو مجبوراً وہ مفہوم مراد لینا پڑتا جو خود رسول کریم ﷺ بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ جس کی بناء پر اعتراض پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے آسان راستہ یہی تھا کہ اس مفہوم میں اور ترجمہ میں تبدیلی کر دی جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کے صحیح ترجمہ کے مطابق اس کو ظاہری طور پر مراد لیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث کے الفاظ میں کہ یُدْفَنُ مَعِیْ فِیْ قَبْرِیْ ''میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا'' اگر اس کو ظاہراً مانا جائے تو پھر نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ کسی وقت مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے محمد عربیؐ کی قبر اکھاڑیں گے اور اس طرح رسول اللہؐ کی اہانت کا موجب بنیں گے۔ مسلمان کی غیرت برداشت نہیں کر سکتی کہ کسی کے لئے خواہ وہ کوئی بھی ہو سرکار دو جہاں، خاتم الانبیاء ﷺ کی قبر کو اکھاڑا جائے اور اس طرح آپؐ کی نعش مبارک کی بے حرمتی کی جائے۔ اس لئے مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ روضہ اطہر یعنی مقبرہ کر دیا ہے لیکن مولوی صاحب کیا کبھی ''قبر'' بمعنی مقبرہ استعمال ہوئی ہے کہ آپ یہاں پر اس سے مراد مقبرہ لے رہے ہیں۔

اور اگر آپ قبر کا ترجمہ مقبرہ یا روضہ کرنے پر مصر ہوں تو یاد رکھیں کہ زیر نظر حدیث آپ کو قطعاً اس ترجمہ کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ اگلا جملہ یہ ہے کہ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسیٰ بْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ کہ میں اور مسیح ابوبکر و عمر کے درمیان ایک قبر میں سے اٹھیں گے۔

اب فرمایئے اگر قبر کا ترجمہ مقبرہ ہے تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کے درمیان کونسا روضہ اور مقبرہ ہے۔ آپ کے پیش رو محمد عبداللہ صاحب معمار نے بھی جو نقشہ محمدیہ پاکٹ بک میں بنایا ہے اس میں بھی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان الگ روضہ یا مقبرہ موجود نہیں ہے ہاں قبر مسیح کا ذکر ہے جس کا مطلب ہے کہ اس حدیث کے پہلے حصہ میں قبر کا ترجمہ مقبرہ اور دوسرے میں قبر کیا گیا ہے اور آپ لوگ اس ترجمہ پر مجبور ہیں۔ اس وجہ سے آپ لوگ حدیث کے اصل الفاظ لوگوں کے سامنے نہیں رکھتے بلکہ اپنے غلط تراجم سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ پس یہ آنحضرت ﷺ کا ہم پر احسان ہے کہ آپ ﷺ کے بیانات ایسے فصیح و بلیغ ہیں کہ ان کے غلط تراجم کرنا ممکن نہیں ہے اور صحیح تراجم کے لئے قرائن موجود ہیں مگر جو ضد اور تعصب سے غلط ترجمہ کرنا چاہے وہ اس کی مرضی ہے۔

۲۔ یہ کہ ایک طرف آپ یہاں پر ظاہری قبر مسیح ہونے پر اصرار کرتے ہیں دوسری طرف جب اس کی ظاہر پرستی کے نتیجہ میں غیور مسلمانوں کی غیرت آپ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی قبر کو اکھاڑنے کی اہانت کرنے سے روکتی ہے تو آپ اپنی جان چھڑانے کے لئے قبر سے مراد مقبرہ لیتے ہیں مگر یہ تو بتائیں کہ اس حدیث کے مطابق جو نقشہ بنتا ہے اسے آپ اس اہانت کے بغیر (باوجود ایک جگہ قبر کا ترجمہ مقبرہ اور دوسری جگہ قبر کرنے کے) کیسے پورا ہوسکتے ہیں؟ کیونکہ آپ کے نزدیک نقشہ اس طرح بنتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نقشہ روضہ رسولؐ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

موضع قبر مسیح علیہ السلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(محمد عبداللہ معمار محمدیہ پاکٹ بک۔ ایڈیشن ششم۔ مطبع زاہد بشیر پرنٹرز صفحہ ۱۶۵)

حالانکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک قبر سے جو ابوبکر وعمر کے

درمیان سے اٹھائے جائیں گے۔ اب آپ نے عیسیٰ کی قبر تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان بنادی مگر آنحضرت ﷺ تو اپنی اور مسیح دونوں کی قبر ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان بتا رہے ہیں۔ اب اگر یہ حدیث ظاہراً ہی مراد لینی ہے تو آپ کے اپنے نقشے کے مطابق بھی اس وقت تک یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوسکتی جب تک ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان مسیح کے مقام پر آنحضرت ﷺ کی نعش مبارک کو ان کی اصل قبر سے ظاہراً اکھاڑ کر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان مسیح کی قبر میں نہ ڈالا جائے اور یہ عقیدہ دیوبندی علماء کو قبول ہو تو ہو کوئی عاشق رسولؐ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

۳۔ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

”رَاَیْتُ ثَلا ثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِیْ حُجْرَتِیْ فَقَصَصْتُ رُؤْیَایَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَتْ فَلَمَّا تُوَفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَدُفِنَ فِیْ بَیْتِہَا قَالَ لَہَا اَبُوْبَکْرٍ ھٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِکَ وَھُوَخَیْرُھَا“ (مؤطا کتاب الجنائز۔ باب ماجاء فی دفن المیت)

فرماتی ہیں کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند گرے ہیں۔ میں نے اپنی یہ رؤیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اور وہ آپؓ کے گھر میں دفن ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ آپ کے رؤیا کے تین چاندوں میں سے ایک ہیں اور یہ تینوں میں سے بہترین ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں دفن ہوئے اور اس طرح یہ رؤیا پوری ہوگئی۔

یہ حدیث ایک غیبی امر کے بیان پر مشتمل ہے۔ رؤیا دکھانے والا خدا ہے۔ رؤیا کو دیکھنے والی حضرت عائشہ ام المومنینؓ ہیں اور اس رؤیا کی تعبیر کرنے والے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور خدا کی فعلی شہادت نے اس رؤیا کی صداقت کو ظاہر فرمادیا کہ تین وجود اس مین دفن ہوئے۔

یہ حدیث ثابت کر رہی ہے کہ ظاہری طور پر تین وجودوں نے ہی اس حجرہ میں دفن ہونا تھا اور وہ ہو چکے ہیں اور کسی وجود کے وہاں ظاہراً دفن ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ حدیث واضح اعلان کر رہی ہے کہ اگر قبر کا ترجمہ مقبرہ بھی کر لو تو پھر بھی کسی چوتھے آدمی کی ظاہری تدفین کی گنجائش اس میں اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی اور مولوی صاحب کے اس قدر پاپڑ بیلنے کے باوجود ان کا مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔

۴۔ یہ کہ صحابہ رسول ﷺ نے حدیث ھذا سے مراد کبھی بھی ظاہری قبر نہیں سمجھا بلکہ یہ بعد کے ظاہر پرست علماء کے خیالات ہیں جن پر آج کے علماء اڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بخاری میں ایک واقعہ اس تمام تفصیل کو کھولنے کے لئے کافی ہے۔

بخاری کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ:۔

’’عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنَ الْاَوْدِيِّ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اِذْهَبْ اِلٰى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَهَ فَقُلْ يَقْرَأُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلَامَ ثُمَّ سَلْهَا اَنْ اُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ قَالَتْ كُنْتُ اُرِيْدُهُ لِنَفْسِيْ فَلَاُوْثِرَنَّ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِيْ فَلَمَّا اَقْبَلَ قَالَ لَهٗ مَالَدَيْكَ قَالَ أَذِنَتْ لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مَا كَانَ شَيْءٍ اَهَمَّ اِلَيَّ مِنْ ذَالِكَ الْمَضْجَعِ فَاِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُوْنِيْ ثُمَّ سَلِّمُوْا ثُمَّ قُلْ يَسْتَاْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاِنْ اَذِنَتْ لِيْ فَادْفُنُوْنِيْ وَاِلَّا فَرُدُّوْنِيْ اِلَى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ‘‘

(بخاری کتاب الجنائز۔ باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر)

حضرت عمر بن میمون الاودی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ آپ حضرت عائشہ ام المومنین کے پاس جائیں اور انہیں میرا اسلام پہنچا کر عرض کریں کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں (آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ) کے ساتھ دفن ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے پوچھنے پر فرمایا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے چاہتی تھی مگر آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔

چنانچہ حضرت عبداللہؓ جب واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم میرے نزدیک کوئی چیز نہیں تھی۔ اب جب میری وفات ہو جائے تو مجھے اٹھا کر لے جانا اور حضرت عائشہؓ کو سلام کہنا اور پھر عرض کرنا کہ اب عمر یہاں دفن کئے جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ پھر بھی اگر وہ اجازت دیں تو مجھے یہاں دفن کر دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا۔

یہ واقعہ ظاہر کر رہا ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہوتا کہ میرے حجرہ میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہوگی اور صحابہ اس سے مراد ظاہری قبر ہی لیتے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت نہ مانگتے۔ کیا رسولؐ کا فرمان کافی نہ تھا؟ فرمان رسولؐ کے ہوتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اجازت لی۔ موت کے وقت بھی اور موت کے بعد بھی۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہیں کہا کہ رسول ﷺ نے حکم دیا ہے میں روکنے والی کون ہوتی ہوں؟ بلکہ وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنا حق چھوڑتی ہوں اور عمر کو ترجیح دیتی ہوں اور اپنا حق عمر کو دیتی ہوں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی کہتے کہ اے امیرالمومنین! جب رسول اللہؐ نے فرما دیا ہے تو پھر اجازت کے کیا معنی؟ مگر انہوں نے بھی ایسا نہ کیا۔ پس اگر صحابہ حدیث يُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ سے جسمانی قبر سمجھتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر کا یہ مکالمہ واقعہ ہی نہ ہوتا۔ یہاں تینوں کے فقرات بتا رہے ہیں کہ یہ تینوں صحابہ فی قبری سے روحانی قبر مراد لیتے تھے نہ کہ جسمانی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں حضرت رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی تدفین کے بعد ایک ہی قبر کی جگہ باقی تھی اور وہاں حضرت عمرؓ دفن ہو چکے ہیں ورنہ اگر کوئی اور جگہ باقی ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

باوجود شدید خواہش کے وہاں کیوں دفن نہ ہوتیں؟ چنانچہ فتح الباری شرح بخاری میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے:۔

’’قَوْلُ عَائِشَةَ فِیْ قِصَّةِ عُمَرَ کُنْتُ اُرِیْدُہٗ لِنَفْسِیْ وَلَاُوْثِرَنَّہٗ الْیَوْمَ عَلٰی نَفْسِیْ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ لَمْ یَبْقَ اِلَّا مُوْضَعُ قَبْرٍ وَاحِدٍ‘‘ (حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ فتح الباری شرح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبیؐ وابی بکر وعمر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے سلسلہ میں یہ قول کہ میں اس جگہ کو اپنے لئے چاہتی تھی مگر آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں یہ بتا رہا ہے کہ اس وقت (اس حجرہ میں) صرف ایک ہی قبر کی جگہ باقی رہ گئی تھی (اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے ہیں)

اور ہاں اگر آپ تمام قرائن کے خلاف قبر سے تاویلاً مقبرہ مراد لے رہے ہیں تو اس سے بہتر یہ ہے کہ فرمان خدا اور رسولؐ کے مطابق روحانی قبر مراد لے لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَاَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ (عبس:۲۲) کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو موت دیتا اور اس کی قبر بناتا ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ بہت سارے لوگ سیلاب، زلزلوں، جنگلوں اور جنگوں میں ہلاک ہو جاتے ہیں مگر ان کی قبر نہیں بنتی۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی قبر ہونے کا ذکر فرماتا ہے اور خود رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ:۔

’’اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ‘‘

(ترمذی ابواب القیامہ۔ حدیث نمبر ۲۶ صفحہ ۳۵۴ ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

یعنی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ یعنی دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

لیکن ظاہری طور پر وہاں نہ باغ نظر آتے ہیں نہ قبروں میں دوزخ کی آگ نظر آتی ہے۔ نیز جو لوگ مثلاً پارسی اپنے مردوں کو دفن نہیں کرتے۔ یا ہندو مردوں کو جلا کر راکھ دریا برد کر دیتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ اس قبر اور عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے؟ گویا عذاب قبر صرف

مسلمانوں اور اہل کتاب کے لئے رہ گیا ہے۔

اس بیان سے واضح ہے کہ ظاہری قبر کے علاوہ ایک روحانی قبر بھی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر انسان کے لئے مقرر ہے اور اس میں اس شخص کے اعمال کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔

اور فرمان رسولؐ يُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ سے مراد یہی ہے کہ وہ مسیح موعود میری روحانی قبر میں دفن ہوگا یعنی اس کو میرے ساتھ شدید تعلق ہوگا اور اس کا وجود گویا میرا وجود ہوگا۔ جیسا کہ بزرگان سلف نے امام مہدی کے اس مقام کی توضیح فرمائی ہے اور یہ عام محاورہ بھی ہے کہ تعلق کے اظہار کے لئے ہم اپنے دوستوں سے کہتے ہیں کہ اب ہمارا مرنا جینا اکٹھا ہوگا ۔یعنی ہمارا اور تمہارا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ کسی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ”تم نے کونسا میری قبر میں لیٹنا ہے“ حالانکہ کہ ظاہری طور پر کوئی شخص بھی اس سے یہ مراد نہیں لیتا کہ ظاہری طور پر قبر میں جا کر دوست کے ساتھ لیٹ جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد صرف تعلق محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

غرض اس حدیث میں اس شدید تعلق کا اظہار ہے جو آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ہونا تھا۔ اس میں مسیح موعود کے آنحضرت ﷺ کے ظل کامل ہونے کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی دانست میں کشتی نوح کا حوالہ اس لئے پیش کیا ہے کہ گویا حضرت مرزا صاحب نے بھی مولوی صاحب کے مزعومہ عقیدہ کے مطابق مسیح کے آنحضرت ﷺ کی قبر میں ظاہراً دفن ہونے کو مانا ہے حالانکہ اس تفصیلی حوالہ میں حضرت مرزا صاحب نے ظاہری قبر اور ظاہری تدفین کی تردید کی ہے چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

”عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاءؐ ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ

ختم نبوت کا خلل انداز نہیں۔ جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک ہی ہو۔ اگر چہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا۔ یہی بھید ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود میری قبر مین دفن ہوگا یعنی وہ میں ہی ہوں اور اس میں دو رنگی نہیں آئی۔"

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۵، ۱۶)

اس سے واضح ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح کے آنحضرت ﷺ کی قبر میں دفن ہونے کا ذکر فرمایا ہے جو کہ مولوی صاحب قبر کی بجائے مقبرہ مراد لینے پر مجبور ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔ (شناخت صفحہ ۳)

حضرت مرزا صاحب نے قبر میں دفن ہونے سے مراد شدید تعلق محبت لیا ہے اور اسی کو مسیح موعود کی علامت صداقت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس لئے یہ حوالہ قطعاً مولوی صاحب کے مفید مطلب نہیں ہے۔ اسی طرح مولوی صاحب کے لئے ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۰ کا حوالہ بھی مفید مطلب نہیں ہوسکتا بلکہ مولوی صاحب نے اس حوالہ کی قطع و برید کر کے درج کیا ہے تا کہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ مگر ان کا مطلب پھر بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس بات کی تردید حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذکورہ حوالہ میں کی ہے مولوی صاحب اسی امر کو اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم مکمل حوالہ یہاں ناظرین کے لئے درج کرتے ہیں تا کہ ناظرین بالانصاف خود فیصلہ کر سکیں کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح موعود کے لئے یہ قبول کیا تھا کہ وہ ظاہراً روضہ رسول ﷺ کے اندر یا قریب یا قبر رسولؐ میں دفن ہوگا یا یہ مولوی صاحب کے ہاتھ کا کمال ہے کہ کچھ کا کچھ بنا کر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اے حضرات مولوی صاحبان جب کہ عام طور پر قرآن شریف سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے اور ابتداء سے آج تک بعض اقوال صحابہ اور مفسرین بھی اس کو مارتے چلے آئے ہیں تو اب آپ لوگ ناحق کی ضد کیوں کرتے ہیں...... یوں تو آپ حضرت مسیحؑ کی لاش کو بڑی

عزت کے ساتھ دفن کرنا چاہتے ہیں جب کہ کہتے ہیں کہ جناب سیدنا جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر میں دفن کئے جائیں گے لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ دوسری موت ان کے لئے کس سخت گناہ کا پاداش ہوگی اور واضح رہے گا کہ آنحضرت ﷺ کی قبر میں ان کا آخری زمانہ میں دفن ہونا یہ اس بات کی فرع ہے کہ پہلے ان کا اسی جسم خاکی کے ساتھ زندہ اٹھایا جانا ثابت ہو۔ ورنہ فرض کے طور پر اگر اس حدیث کو جو نصوص بینہ کے مخالف صریح پڑی ہوئی ہے صحیح بھی مان لیں اور اس کے معنی کو ظاہر پر ہی حمل کریں تو ممکن ہے کہ کوئی مثیل مسیح ایسا بھی ہو جو آنحضرت ﷺ کے روضہ کے پاس مدفون ہو کیونکہ اس حدیث کی رو سے کہ جو **عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ** ہے۔ مثیلوں کی کمی نہیں اور ایسا ہی یہ آیت کریمہ بھی مثیلوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** (الفاتحہ ۶، ۷) اور نیز قرائن قویہ کی وجہ سے بفرض صحت اس کو ایک استعارہ تسلیم کر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک اشارہ معیت اور اتحاد کی طرف ہے۔ مثلاً جو دشمن ہو اس کے لئے انسان کہتا ہے کہ اس کی قبر میرے نزدیک نہ ہو لیکن دوست کے لئے قبر کا بھی ساتھ چاہتا ہے...... جو شخص فوت ہونے کے بعد روحانی طور پر کسی مقدس کے قریب ہو جائے تو گویا اس کی قبر اس مقدس کے قریب ہو گی۔" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۵۱۔۳۵۲)

اس حوالہ سے درج ذیل امور واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل:۔ یہ کہ مسیح موعود آپ لوگوں کے نزدیک مسیح ناصری علیہ السلام ہیں۔ اگر آپ کا یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے لئے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ آپ مسیح ناصری علیہ السلام کا بجسد عنصری آسمان پر جانا ثابت کریں کیونکہ اگر ان کی وفات ثابت ہو جائے تو ان کے متعلق علامات خود بخود ختم ہو جائیں گی اور یہ بحث اور یہ مطالبہ ہی آپ لوگوں کا لغو ٹھہرے گا۔ یہ الزامی جواب ہے۔

دوم:۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ اگر آپ اس حدیث کو ظاہر پر ہی حمل کرنا چاہتے ہوں تو

اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ علامات کسی مثیل مسیح پر پوری ہو جائیں کیونکہ امت محمدیہ میں کثرت کے ساتھ انبیاء گزشتہ کے مثیل آنے کی پیشگوئیاں موجود بھی ہیں اور آتے بھی رہیں گے گویا اس امکانی صورت میں اس پیشگوئی کا تعلق خاص طور پر مسیح موعود کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ کسی بھی مثیل کے ساتھ یہ علامت پوری ہوسکتی ہے۔

یہ بھی ایک الزامی رنگ کا جواب ہے جو معترض کو ان کے اپنے عقیدہ کے موافق دیا گیا ہے کہ چونکہ آپ کے خیال میں مسیح ناصری زندہ ہیں اور وہی امت محمدیہ کے مسیح موعود ہوں گے۔ اس لئے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ آپ مسیح ناصری کا زندہ ہونا ثابت کریں اور پھر اس علامت کو مسیح علیہ السلام میں تلاش کریں اور اگر مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہو جائے تو قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ علامت مسیح موعود میں نہیں بلکہ کسی مثیل مسیح میں پوری ہوگی۔ اس لئے آپ کے اس اقرار کے ہوتے ہوئے اسے ظاہری معنوں پر حمل کرنے کی صرف ایک صورت ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی مثیل مسیح ایسا ہو جو کہ روضہ نبویؐ کے پاس دفن ہو کیونکہ قبر رسول کو تو کسی صورت میں اکھاڑا نہیں جا سکتا۔ اس صورت میں حضرت مرزا صاحب اس علامت کو مسیح موعود کی علامت نہیں مانتے بلکہ کسی بھی مثیل مسیح پر یہ علامت پوری ہوسکتی ہے۔

سوم:۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ ایک استعارہ ہے جو معیت اور اتحاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ وہ معنی ہیں جو مسیح موعود کی علامت کے طور پر حضرت مرزا صاحب نے قبول کئے ہیں اور درست معنی ہیں۔ انہی معنوں کو حضرت مرزا صاحب نے علامت مسیح کے طور پر جا بجا ذکر فرمایا ہے اور کشتی نوح میں بھی انہیں معنوں کو درج کیا گیا ہے۔

غرض اس حوالہ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے عقیدہ کے طور پر یہ معنی قبول کئے ہیں کہ مسیح موعود ظاہراً آنحضرت ﷺ کی قبر کے پاس دفن ہوں گے۔ ہاں الزام خصم کے لئے ان کے عقائد کے مدنظر امکانی طور پر کسی مثیل میں اس علامت کا پورا ہونا قبول کیا ہے نہ کہ مسیح موعود کا اور وہ بھی مشروط طور پر۔

اب تک کی گزارشات سے یہ امر واضح ہوگیا ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور مسیح موعود میں معیت اور اتحاد روحانی کا ذکر ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ مسیح موعود آنحضرت ﷺ کا ظل ہوگا ورنہ ظاہراً اس حدیث کے معانی کو خود مخالفین بھی قبول نہیں کر سکتے۔

دوسرے یہ کہ حضرت مرزا صاحب نے بھی اس علامت سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسیح موعود کی روحانی معیت مراد لی ہے اور آپؑ نے بھی اس حدیث کے ظاہری معنوں کو رد فرمایا ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ علامت حضرت مرزا صاحب میں اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔

چنانچہ ازالہ اوہام کا جو حوالہ پیش کیا ہے اسی میں حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

”قرائن قویہ کی وجہ سے بفرض صحت اس کو استعارہ تسلیم کر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک اشارہ معیت اور اتحاد کی طرف ہے مثلاً جو دشمن ہو اس کے لئے انسان کہتا ہے کہ اس کی قبر بھی میرے نزدیک نہ ہو لیکن دوست کے لئے قبر کا ساتھ چاہتا ہے اور مکاشفات میں اکثر ایسے امور دیکھے جاتے ہیں۔ ایک مدت کی بات ہے جو اس عاجز نے خواب میں دیکھا جو آنحضرتؐ کے روضہ مبارکہ پر کھڑا ہوں اور کئی لوگ مر گئے ہیں یا مقتول ہیں ان کو لوگ دفن کرنا چاہتے ہیں۔ اسی عرصہ میں روضہ کے اندر سے ایک آدمی نکلا اور اس کے ہاتھ میں سرکنڈہ تھا اور وہ اس سرکنڈہ کو زمین پر مارتا تھا اور ہر ایک کو کہتا تھا کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی تب وہ یہی کام کرتا کرتا میرے نزدیک آیا اور مجھ کو دکھلا کر اور میرے سامنے کھڑا ہو کر روضہ شریفہ کے پاس کی زمین پر اس نے سرکنڈہ مارا اور کہا کہ تیری اس جگہ قبر ہوگی۔ تب آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ معیت معادی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو شخص فوت ہونے کے بعد روحانی طور پر کسی مقدس کے قریب ہو جائے تو گویا اس کی قبر اس مقدس کی قبر کے قریب ہوگی“ (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۵۲)

پس روحانی اعتبار سے یہ علامت پوری ہو چکی اور عرش کا خدا اس علامت کی تکمیل کی خوشخبری دے چکا ہے۔ **فھل من رجل رشید**

نمبر ۶ مسیح علیہ السلام کا نزول من السماء

اس رسالہ کے صفحہ ۱۰ پر زیر عنوان ''حضرت مسیح آسمان سے نازل ہوں گے'' یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسیح علیہ السلام کا ظاہری طور پر آسمان سے نازل ہونا ضروری ہے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے کہ ''مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے نازل ہوں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا'' اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ بھی مسیح کا آسمان سے ظاہری طور پر نزول حدیث میں مذکور مانتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ گزارش ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صحیح مسلم کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا عام لوگوں میں معروف مفہوم محاورہ کے طور پر درج فرمایا ہے۔ اس بیان پر بنیاد دلیل رکھتے ہوئے آپ کو چاہئے تھا کہ مسلم کی حدیث کو دیکھ لیتے کہ وہاں آسمان کا لفظ ہے یا نہیں ہے۔ آپکو یقیناً معلوم ہے کہ وہاں آسمان کا لفظ نہیں ہے ورنہ آپ ضرور اس حدیث کو درج کر دیتے۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلم کے حوالہ سے ایک عبارت درج کی ہے تو اصل عبارت سے مفہوم کی تعیین کی جا سکتی ہے کہ وہاں لفظ آسمان موجود ہے یا نہیں۔ جس پر آپ کے تمام تر استدلال کی بنیاد ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لفظ نہیں ہے تو مرزا صاحب نے ترجمہ میں یہ لفظ ''آسمان'' کیوں شامل کر دیا ہے تو اوّل بات یہ ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام نے عام لوگوں کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان کے تراجم کے پیش نظر ان ہی کا ترجمہ کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ آسمان سے نازل ہونا یا آسمان پر جانا ایک محاورہ ہے جو بعض مقامات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے پھر وضاحت بھی فرمائی ہے کہ آسمان پر جانا اور نازل ہونا ظاہراً نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ محاورہ قرآن کے مطابق ہے۔ ''آسمان پر جانا'' اور ''آسمان سے نازل

ہونا‘‘ ان محاورات سے مراد ظاہراً صعود ونزول نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

’’اِنَّ الَّـذِیْـنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةُ ‘‘(الاعراف:۴۱)

یعنی جو لوگ ہماری آیات جھٹلاتے ہیں اور ان کے متعلق تکبر سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے یعنی وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مکفرین ومکذبین کے لئے آسمان کے دروازے بند ہوتے ہیں مگر مومنین کے لئے دروازے لازماً کھولے جاتے ہیں اور مومنوں کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جانے سے مراد ان کا جنت میں داخل ہونا ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ آسمان پر جانے کے محاورہ سے مراد جنت میں دخول ہے۔ اس لئے اگر کسی شخص کے بارہ میں عرف عام میں یہ کہہ بھی دیا جائے کہ وہ آسمان پر چلا گیا تو اس محاورہ کا مطلب بعد وفات روح کا آسمان پر جانا یعنی جنت میں داخل ہونا ہے نہ کہ ظاہری جسم سمیت آسمان پر چڑھ جانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے مقام پر واضح طور پر مؤمنوں کے لئے آسمان کے دروازوں کا کھلنا مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (ص:۵۱) یعنی مومنوں کے لئے جنتوں کے دروازے کھلے ہوں گے۔ دوسری طرف آسمان سے نزول کا محاورہ بھی ہمیں ملتا ہے۔ اس کی مثالیں اگلے اعتراض کے جواب میں آئیں گی تاہم ایک مثال یہاں پیش کئے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

’’وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ‘‘(الحجر:۲۲)

کہ ہر چیز کے خزانے خدا کے پاس ہیں اور ہم انہیں ایک اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں اس کے ساتھ جب درج ذیل آیت کریمہ کو ملایا جائے تو پتہ چلتا ہے عندنا سے مراد آسمان پر ہونا اور آسمان پر ہونے سے مراد عند اللہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ آیات کریمہ یہ ہے۔ فرمایا وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذاریات:۲۳) کہ تمہارا رزق بھی اور تمہاری تمام موعودہ اشیاء بھی آسمان میں ہیں۔

گویا ہر موعودہ چیز اور رزق آسمان پر ہے اور وہیں سے نازل ہوتے ہیں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ظاہراً آسمان کو کوئی سٹور بنیا گیا ہے اور وہاں سے کوٹہ کے مطابق نازل کیا جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب واضح ہے کہ نزول سے مراد آسمانی تدبیر اور آسمانی اثرات کے زیر اثر پیدا ہونا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ وہ آسمان پر چلا گیا اور وہ آسمان سے نازل ہوا وغیرہ اس محاورہ سے مراد نہ تو ظاہراً آسمان پر بجسدہ العنصری جانا ہوتا اور نہ اس جسم کے ساتھ نازل ہونا ہوتا ہے۔

پھر مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ ''سب کو معلوم ہے مرزا صاحب محترمہ چراغ بی بی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ سب جانتے ہیں کہ عورت کے پیٹ کا نام آسمان نہیں ہے''

(شناخت صفحہ:۱۰)

مولوی صاحب کا یہ بیان قرآن مجید کے محاورات سے قطعاً لاعلمی کی وجہ سے ہے یا جانتے بوجھتے ہوئے دھوکہ دہی کی کوشش ہے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق تمام موعودات آسمان پر ہیں اور وہیں سے نازل ہوتی ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی ان وجودوں میں شامل ہیں جن کے آنے کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کے اس بیان کے مطابق تمام انبیاء آسمان سے ہی تشریف لاتے رہے۔ مگر سب لوگ جانتے ہیں کہ وہ اپنی والدہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پس آسمان سے نازل ہونے سے مراد آسمانی تائیدات یعنی اللہ کی تائیدات کا اس وجود کے شامل حال ہونا ہے۔

دیکھئے آنحضرت ﷺ کے لئے قرآن مجید نے وہی لفظ استعمال فرمایا ہے جو آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود علیہ السلام کے لئے استعمال فرمایا ہے اگر مسیح موعودؑ کے لئے لفظ نزول کا ترجمہ آسمان سے نازل ہونا ہو سکتا ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کے لئے بھی جائز ہو اور اس طرح دونوں وجود آسمان سے ہی ہوئے۔ پس جس طرح آنحضرت ﷺ حضرت آمنہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی اس پیدائش کو نزول قرار دے رہا ہے۔ اس طرح مسیح موعودؑ بھی اپنی والدہ محترمہ کے پیٹ سے پیدا ہو کر نزول کے لفظ سے تعبیر

ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

’’قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلاً يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ‘‘ (الطلاق:۱۱، ۱۲)

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔

’’تحقیق اتارا اللہ نے طرف تمہاری ذکر کہ پیغمبر ہے جو پڑھتا ہے اوپر تمہارے نشانیاں اللہ کی‘‘ (معجز نما عکسی قرآن مجید۔ ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین۔ سورۃ الطلاق زیر آیت ھذا صفحہ ۷۸۱۔ مکتبہ رشیدیہ دہلی)

نمبر ۷: مسیحؑ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی قسم کی حقیقت

اس رسالہ صفحہ ۱۰ پر ’’حضرت مسیح علیہ السلام کے کارنامے‘‘ کے عنوان کے تحت صحیح بخاری کی حدیث وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ ......الخ درج کی گئی ہے اور پھر ان علامات ماثورہ کا ظاہر پر چسپاں کرنے کے لئے ایک عجیب راستہ اختیار کیا گیا ہے جس میں دھوکہ دہی سے کام لیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب حمامۃ البشریٰ صفحہ ۱۴ سے عبارت درج کی ہے جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ:۔

’’قسم اس امر کی دلیل ہے کہ خبر اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ استثناء‘‘

اس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک عام قانون ہے کہ جہاں بھی قسم آئے گی اس کی بیان کردہ باتوں میں نہ کوئی تاویل ہوسکتی ہے نہ ہی استثناء ہوسکتا ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص ’’لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوۃَ‘‘ (النساء:۴۴) کو لے لے اور وَاَنْتُمْ سُکَارٰی کو چھوڑ دے اور کہے کہ یہ عام حکم ہے کہ نماز کے قریب مت جاؤ حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو یہاں پر وَاَنْتُمْ سُکَارٰی کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

مولوی صاحب کا مطالبہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے کیونکہ قسم کے متعلق:۔

i۔ یہ قاعدہ کسی جگہ بھی لغت و گرامر میں بیان نہیں ہوا۔

ii۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس قاعدہ کو بطور عام قانون کے نہ کبھی بیان

فرمایا اور نہ عمل کیا بلکہ اپنی کتب میں متعدد مقامات پر آپ نے قسم کے ساتھ بیان کردہ امور کو تاویلاً مراد لیا ہے۔ چنانچہ اقسام قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے آپؑ نے ہمیشہ ظاہر کے ساتھ باطن پر زور دیا ہے اور قریباً ہر جگہ تاویلی معنی مراد لئے ہیں۔ خود وہ حدیث جو مولوی صاحب نے صفحہ ۱۰ پر درج کی ہے جس کی علامات مولوی صاحب ظاہر پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور اس کی بنیاد حضورؑ کا یہ حوالہ بنا رہے ہیں اس کو اسی حمامۃ البشریٰ میں حضورؑ نے تاویلی معنوں پر حمل فرمایا ہے۔

(دیکھئے حمامۃ البشریٰ۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۲ نیز حاشیہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس عبارت کا مفہوم کیا ہے؟ مفہوم بڑا واضح ہے کہ حمامۃ البشریٰ میں حضورؑ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:۔

”عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ یَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ یَمُوْتَ بِشَھْرٍ تَسْأَلُوْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ وَاِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ وَاُقْسِمُ بِاللّٰہِ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْقُوْسَۃٍ یَاْتِیْ عَلَیْھَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَھِیَ حَیَّۃٌ یَوْمَئِذٍ“ (روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۹۱ حاشیہ در حاشیہ)

اس حدیث میں جو قسم کھائی گئی ہے اس کے متعلق حضورؑ فرماتے ہیں:۔

”وَالْقَسْمُ یَدُلُّ عَلَی اَنَّ الْخَبَرَ مَحْمُوْلٌ عَلَی الظَّاھِرِ لَا تَاْوِیْلَ فِیْہِ وَلَا اِسْتِثْنَاءَ“ (روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۹۲ حاشیہ)

یعنی یہ قسم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ خبر ظاہر پر محمول ہوگی اور اس میں نہ تو تاویل ہوگی اور نہ استثناء اور اس جگہ قسم کے تاویلی معنی مراد نہ لینے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم اس کی تاویل کریں۔ یہ واضح بات ہے کہ قرائن کی موجودگی میں ہی تاویل کی جاتی ہے اور یہاں پر قرائن ظاہر پر حمل کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ چنانچہ ایک سو سال کے عرصہ میں عام طور پر نسل ختم ہو جاتی ہے اور دوسری نسل اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس عام قاعدہ اور قانون کی طرف رسول خدا صلعم نے یہاں توجہ دلائی ہے اور اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو خاص فرما دیا ہے ورنہ قسم اپنی ذات میں ظاہر پر حمل کے لئے بطور قانون مجبور نہیں کرتی بلکہ اگر قرائن تاویل کی طرف راہنمائی کر رہے ہوں تو لازماً وہاں پر اس

کے تاویلی معنی لینے ہوں گے۔

اب اس اصول کی روشنی میں جب ہم صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث کو دیکھتے ہیں تو وہ خود کہتی ہے کہ اس کو ظاہر پر حمل کرنا منشاء نبویؐ کے خلاف اور ایسا مفہوم جو **مَالَا یَرْضَی بِہٖ الْقَائِلُ** کا مصداق ہے۔

باقی علامات کی بحث تو اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں صرف ایک اصولی بات اس حدیث کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک یہ علامات ظاہراً مراد نہیں تھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

’’**وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا** الخ‘‘

پھر اسی باب میں دوسری روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

’’**کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ**‘‘

(بخاری کتاب الانبیاء۔ باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد نمبر۱ صفحہ۴۹۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی)

اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ابن مریم تمہارے اندر نازل ہوں گے۔ وہ حکم عدل ہوں گے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:۔

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم تمہارے اندر نازل ہوں گے اور وہ تمہیں میں سے تمہارے امام ہوں گے۔

دیکھئے اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے **ینزل فیکم کیف انتم، نزل ابن مریم فیکم، امامکم منکم**، پانچ (۵) مرتبہ ضمیر خطاب کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ واضح بات ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے مخاطب صحابہ رسول ﷺ تھے نہ کہ بعد کے لوگ اور یہ بھی واضح ہے کہ ان صحابہ کے درمیان مسیح ابن مریم نازل نہیں ہوئے۔

رسول کریم ﷺ کا پانچ مرتبہ ضمیر مخاطب کے ذریعہ صحابہ کو مخاطب فرمانا اور انہیں ان

کے اندر مسیح ابن مریم کے نزول کی خبر دینا مگر تمام صحابہؓ کا وفات پا جانا اور ان کے اندر اس وجود کا ظاہر نہ ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ رسول خدا صلعم صحابہ کے اس خطاب کے ذریعہ مثیل صحابہؓ کو مخاطب فرما رہے ہیں۔ جب صحابہؓ سے مراد ان کے مثیل ہیں تو ابن مریم سے مراد بھی ان کے مثیل ہوں گے نہ کہ وہی مسیح۔ پس یہ وہ بات ہے جس کے ذریعہ خود رسول کریم ﷺ نے ذی فہم لوگوں کو اس مسئلہ کی حقیقت سمجھا دی ہے۔

الغرض! قسم کے بیان سے مولوی صاحب جو بات بطور بنیاد بنا کر عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ تعمیر نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مسیح موعود کی آمد کے قطعی ہونے کا قسم کے ذریعہ اظہار فرمایا اور مسیح کی آمد کے متعلق شک کرنے والوں کو یقین دلایا ہے کہ بعثت مسیح یقیناً ہوگی۔ یہاں پر درحقیقت آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے شک وشبہ کا ازالہ فرما رہے ہیں جو آمد مسیح کے متعلق ہی شک وشبہ میں مبتلا ہو چکے ہوں۔

آنحضرت ﷺ کے کمالات میں سے ہے کہ چونکہ یہ پیشگوئی آئندہ زمانے سے متعلق تھی اور آئندہ زمانہ میں خود محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف منسوب ہونے والوں میں سے ہی ایسے لوگوں نے پیدا ہو جانا تھا جنہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کا ہی انکار کر دینا تھا جیسا کہ آج کل ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے پہلے سے ہی آمد مسیح کی پیشگوئی میں قسم کھا کر قطعی اعلان فرما دیا کہ مسیح موعود کی آمد اٹل ہے۔ تم اس بارہ میں شک نہ کرنا اور مولوی صاحب کو بھی اقرار ہے کہ قسم ازالہ شک وشبہ کے لئے آتی ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے قسم کے کھانے کی ایک بنیادی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ’’قسم اس جگہ کھائی جاتی ہے جہاں اس حقیقت کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہو‘‘۔ (شناخت صفحہ ۱۱)

پس چونکہ مسیح کے آنے کو ہی لوگوں نے شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا تھا اور یہ شک وشبہ یہاں تک آگے بڑھ جانا تھا کہ سرے سے اس پیشگوئی کا ہی انکار کر دیا جانا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے قسمیہ طور پر مسیح کے آنے کی قطعی خبر دی ہے۔ دیگر احادیث اسی نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔

اگر قیامت میں ایک روز بھی باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دے گا یہاں تک کہ مسیح موعود آ جائے“۔

نمبر ۸: ظاہری نزول مسیح علیہ السلام

مولوی صاحب نے ”نزول عیسیٰ بن مریم“ کے عنوان کے نیچے لکھا ہے کہ:۔

”آنحضرت ﷺ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی خبر دی ہے اور جو لوگ ”نزول“ اور ”عیسیٰ بن مریم“ کے الفاظ میں تاویل کر کے اس کے مفہوم کو مرزا صاحب پر یا کسی اور پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل آنحضرت ﷺ کی قسم پر بھی ایمان نہیں رکھتے نہ آپ ﷺ کو صادق القول سمجھتے ہیں“ (شناخت صفحہ ۱۱)

اس بیان سے سب سے پہلے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود مولوی صاحب آنحضرت ﷺ کی قسم پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ آپؐ کو صادق القول سمجھتے ہیں کیونکہ لفظ نزول کے بارہ میں خود تاویل ہی نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی تحریف بھی کر کے یہ کہتے ہیں:۔

”آنحضرت ﷺ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی خبر دی ہے“ (شناخت صفحہ ۱۱)

مولوی صاحب اگر آپ کی مراد ظاہراً جسم سمیت آسمان سے نازل ہونا ہے تو براہ مہربانی کسی صحیح حدیث سے نزول مسیح کے ساتھ آسمان کا لفظ دکھا دیجئے اور یہ قیامت تک آپ کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ اور اگر محاورۃً مراد ہے تو آپ کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

پس جب آپ نے لفظ نزول کی تاویل کی اور تاویل بھی ایسی کہ جو خلاف قرآن وسنت ہے تو فرمایئے کہ آپ کا ایمان سلب ہوا یا نہ ہوا؟ مولوی صاحب یہ فرمایئے کہ اگر آپ کا یہ کلیہ درست ہے تو درج ذیل بزرگوں کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے۔

حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی شیخ الطائفہ فرماتے ہیں:۔

”وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ آخَرَ“

(ابن عربی تفسیر القرآن الکریم سورہ النساء۔ زیر آیت وان من اھل الکتاب......الخ)

فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نزول کسی دوسرے بدن کے ساتھ متعلق ہوگا۔ یعنی بروزی نزول ہوگا۔

اسی طرح حضرت امام سراج الدین ابن الوردی لکھتے ہیں :۔

”قَالَتْ فِرْقَةٌ نَزُوْلُ عِيْسىٰ خُرُوْجُ رَجُلٍ يَشْبَهُ عِيْسىٰ فِی الْفَضْلِ وَالشَّرْفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيْرِ مَلَكٌ وَلِلشَّرِيْرِ شَيْطَانٌ تَشْبِيْهًا بِهِمَا وَلَايُرَادُ الْاَعْيَانُ“ (امام سراج الدین ابی حفص عمر ابن الوردی۔ خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب۔ الطبعۃ الثانیہ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی مصر صفحہ ۲۶۳ زیر عنوان ذکر نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام)

ایک گروہ نے کہا کی عیسیٰ کے نزول سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص مبعوث ہوگا جو کہ عیسی علیہ السلام سے فضل اور شرف میں مشابہ ہوگا جس طرح نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہہ دیا جاتا ہے اور یہ تشبیہ کی وجہ سے ہے ان سے مراد حقیقی شخصیات نہیں ہوتیں۔

قارئین! حقیقت یہ ہے کہ اس پیشگوئی کی حقیقت خود اس حدیث پر غور کرنے سے کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اس پیشگوئی میں ہی ایسا طرز کلام اختیار فرمایا ہے جو واضح طور پر ظاہر فرما رہا ہے کہ یہاں پر ایک مثیل کی پیشگوئی کی جارہی ہے جو کہ ”اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ“ امت محمدیہ میں سے ہوگا۔ جیسے مسلم میں ”امکم منکم“ کے الفاظ سے معین کر دیا گیا ہے کہ وہ تمہیں میں سے یعنی امت محمدیہ میں سے ہی ہوگا۔ امت موسویہ میں سے نہ ہوگا۔ اور تمہاری امامت کرے گا۔

جہاں تک لفظ نزول کا تعلق ہے تو یہ قرآن وحدیث اور الٰہی کتابوں کا ایک محاورہ ٹھہر گیا ہے کہ جہاں بھی کسی مامور من اللہ کے لئے لفظ نزول استعمال ہوتا ہے اس کے حقیقی معنی اس کی بعثت ہوا کرتی ہے۔ کسی بھی جگہ اس سے مراد ظاہراً نُزُوْلٌ مِّنَ السَّمَآءِ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ ساتھ نزول کے حقیقی معنی بعثت کے ہی ہوتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

احادیث میں مسیح موعود کے لئے تین لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔

نمبر ۱: نزول   نمبر ۲: بعثت   نمبر ۳: خروج

نمبر۱: **كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ بْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ۔**

(بخاری کتاب الانبیاء جلد نمبر۱ صفحہ ۴۹۰۔ باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

نمبر۲:۔ **فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ۔**

(مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

فَيَبْعَثُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِيْسىٰ بْنَ مَرْيَمَ۔ (مسلم کتاب الفتن باب خروج الدجال)

نمبر۳:۔ **بَابُ فِتَنِ الدَّجَّالِ وَخُرُوْجِ عِيْسىٰ بْنَ مَرْيَمَ وَخُرُوْجِ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ۔** (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن)

ان تینوں الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ان کے وہ معنی لینے چاہئیں جو ہر ایک میں لگ سکتے ہوں اور وہ صرف ایک ہی معنی ہیں کہ مسیح بھی دیگر انبیاء کی طرح مبعوث ہوں گے نہ کہ ظاہراً آسمان سے نازل ہوں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ لفظ نزول سے عربی زبان میں ہر جگہ آسمان سے نازل ہونا ہی مراد نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ دیکھئے:۔

i۔ عربی میں مسافر کو نزیل اور مکان کو منزل کہتے ہیں۔

ii۔ ہمیں دعا سکھائی گئی **رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلاً مُّبَارَكاً** (المومنون:۳۰) اے میرے رب تو مجھے مبارک مقام پر نازل فرما۔

iii۔ فرمایا کہ **أَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ** (الزمر:۱) ہم نے جانور نازل کئے۔

iv۔ **اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ** (الحدید:۲۶) ہم نے لوہا نازل کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا **وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ۔** (الحجر:۲۲)

لیکن اس نازل ہونے کا مطلب ہرگز ظاہری طور پر آسمان سے نازل ہونا نہیں ہوا کرتا بلکہ اس سے مراد آسمانی اسباب کے نتیجہ میں ظاہر ہونا ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

i۔ ’’فَاِنَّ قَضَایَاہُ تُوْصَفُ بِالنُّزُوْلِ مِنَ السَّمَآءِ۔‘‘

(علامہ ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری، جامع البیان سورہ الزمر زیر آیت انزل لکم من الانعام)

یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو نزول من السماء کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ii۔ ’’فَاِنَّ قَضَایَاہُ وَقَسْمُہٗ تُوْصَفُ بِالنُّزُوْلِ مِنَ السَّمَآءِ‘‘

(قاضی ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر محمد الشیر ازی البیضاوی۔ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی۔ سورہ الزمر آیت انزل لکم من الانعام)

یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو آسمان سے نزول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احادیث میں بھی لفظ نزول استعمال کیا گیا ہے مگر کہیں بھی اس کے معنی جسم سمیت آسمان سے نازل ہونے کے نہیں ہیں۔ مثلاً:۔

i۔ دجال کے متعلق فرمایا فَیُنْزِلُ بَعْضَ السَّبَاخِ بِالْمَدِیْنَۃِ۔

(بخاری کتاب الفتن باب لایدخل الدجال المدینہ)

یعنی دجال مدینہ کے بعض دور کے علاقوں میں نازل ہوگا۔

اب بتائیے کیا آپ دجال کو بھی مسیح کی طرح آسمان سے نازل کریں گے؟

ii۔ کَانَ سَعْدُ اِذَا مَرَّ بِمَکَّۃَ نَزَلَ عَلٰی اُمَیَّۃَ۔

(بخاری کتاب المغازی باب ذکر النبیؐ من یقتل ببدر)

سعد جب بھی مکہ سے گزرا کرتے تھے تو امیہ کے ہاں نزول کیا کرتے تھے یعنی ٹھہرا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ آسمان سے اترا کرتے تھے۔

غرج نزول کا لفظ ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اس سے مراد ظاہراً آسمان سے نازل ہونا لیا جائے بلکہ عربی زبان میں عام مستعمل محاورہ ہے جس کے معنی پیدا ہونا، پڑاؤ کرنا اور تدبیرات سماوی کے نتیجہ میں برپا ہونا ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ظاہری نزول من السمآء خلاف سنت انبیاء ہے۔ کیا کوئی بھی نبی آج تک آسمان سے ظاہراً نازل ہوا ہے۔ اگر نہیں تو پھر اب سنت اللہ میں تبدیلی کیسے

ممکن ہے؟

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً۔ (الاحزاب:۶۳)

نمبر۹: حکم وعدل

صفحہ ۱۱، ۱۲ پر ”حاکم عادل“ کے عنوان کے تحت یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ:۔

(ا) ”وہ حاکم عادل کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور ملت اسلامیہ کی سربراہی اور حکومت وخلافت کے فرائض سرانجام دیں گے۔ اس کے برعکس مرزا صاحب پشتوں سے انگریزوں کے محکوم اور غلام چلے آتے تھے۔ ان کو ایک دن کے لئے بھی حکومت وعدالت قائم کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔“ (شناخت صفحہ ۱۱، ۱۲)

الجواب:۔ مولوی صاحب نے عنوان باندھتے ہوئے اور اس کے بعد کے بیان میں جانتے بوجھتے ہوئے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ بخاری کی حدیث مولوی صاحب نے خود شناخت کے صفحہ ۱۰ پر درج کی ہے۔ اس میں ”**حکما عدلا** “ کے الفاظ موجود ہیں۔ مگر مولوی صاحب نے عنوان میں ہی اسے بدل کر ”**حاکما عادلا** “ کر دیا ہے اور بعد میں بھی اسی بنیاد کو آگے چلایا ہے۔ مولوی صاحب کا مقصد واضح ہے کہ ”حاکم“ کے لفظ سے ایک عام قاری کے ذہن میں ظاہری دنیوی حکومت کا تصور ابھرتا ہے اور یہی مولوی صاحب کا مقصد ہے کہ وہ یہ باور کرواسکیں کہ حدیث میں مسیح کی علامت ظاہری حکومت کا ملنا لکھی گئی ہے۔

حالانکہ وہ الفاظ جو رسول اللہ ﷺ نے استعمال فرمائے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے لئے محفوظ فرمائے وہ ”**حکما عدلا** “ کے ہیں۔ قرآن وحدیث اور لغت عرب میں ”**حکم** “ سے مراد ”منصف“ یعنی فیصلہ کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان جھگڑوں کے حل کے لئے فرماتا ہے:۔

”وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَماً مِّنْ اَهْلِهَا۔“ (النساء:۳۵)

حضرت شاہ رفیع الدین اس آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”اور اگر ڈرو تم خلاف درمیان ان دونوں کے پس مقرر کرو ایک منصف مرد کے

لوگوں میں سے اور ایک منصف عورت کے لوگوں میں سے‘‘ (ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی۔ سورہ النساء آیت ۳۵۔ معجز نما عکسی قرآن مجید۔ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۱۱۶)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اس آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

’’اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔‘‘

(ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ سورہ النساء آیت ۳۵ معجز نما عکسی قرآن مجید مترجم بہ دو ترجمہ۔ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۱۱۶)

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:۔

’’اور اگر تم ڈرو کہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے‘‘

(مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۳۹۳ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۷۴ء مطبع مشہور پریس کراچی نمبر ۱۴۔ زیر آیت سورہ النساء: ۳۵)

مولوی صاحب! دیکھئے قرآن مجید نے خود ’’حکم‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا اور آپ کے اپنے مسلمہ بزرگ اس کا ترجمہ ’’منصف اور تصفیہ کی لیاقت رکھنے والا‘‘ کر رہے ہیں اور آپ ہیں کہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس کا ترجمہ ’’حاکم‘‘ یعنی ظاہری بادشاہ وحکمران کر رہے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

’’اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَماً‘‘ (الانعام: ۱۱۴)

حضرت شاہ رفیع الدین اس کا ترجمہ یہ درج فرماتے ہیں:۔

’’کیا پس غیر خدا کو چاہوں میں حکم کرنے والا‘‘

(معجز نما عکسی قرآن مجید۔ مترجم بہ دو ترجمہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۱۹۷۔ ترجمہ سورۃ الانعام آیت ۱۱۴)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں‘‘

(معجز نما عکسی قرآن مجید۔ مترجم بہ دو ترجمہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۱۹۷۔ ترجمہ سورۃ الانعام آیت ۱۱۴)

اسی قرآن مجید میں اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:۔

’’کفار کا یہ عذر بھی رد ہوتا ہے کہ چلو ہم کسی کو پنچ بنائیں وہ کیا کہتا ہے۔ اس لئے فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پنچ بناؤں۔‘‘

(معجز نما عکسی قرآن مجید۔ مترجم بہ دو ترجمہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۱۹۷۔ ترجمہ سورۃ الانعام آیت ۱۱۴)

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سورۃ الانعام کی آیت مذکورہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ’’سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں‘‘

(مولانا محمد شفیع صاحب۔ معارف القرآن جلد سوم صفحہ ۴۲۵ ترجمہ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۱۴ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۸۷ء مطبع ٹی۔ ایس پرنٹنگ پریس کراچی ناشر ادارہ المعارف کراچی نمبر ۱۴)

قارئین! جن بزرگوں کے تراجم درج کئے گئے ہیں یہ مولوی صاحب مذکور کے مسلمہ بزرگ اور پیش رو ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ’’حکم‘‘ کا ترجمہ کسی نے بھی ’’حاکم‘‘ یا ’’بادشاہ‘‘ نہیں کیا بلکہ اس کا ترجمہ ’’فیصلہ کرنے والا‘‘ ’’منصف‘‘ اور ’’پنچ‘‘ وغیرہ کئے گئے ہیں۔

پس ’’حکم‘‘ سے مراد ظاہری بادشاہ لینا ایک تحکم ہے جو مولوی صاحب لغت عرب کے خلاف اور اپنے مسلمہ بزرگوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

مفردات امام راغب قرآن مجید کی معروف لغت ہے۔ جو امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ اس میں وہ ’’حکم‘‘ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

’’حکم (جمع و مفرد) فیصلہ کرنے والے کے لئے مختص‘‘

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَماً کیا سوائے اللہ کے میں فیصلہ کرنے والا تلاش کروں۔

قولہ فَابْعَثُوْا حَکَماً مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَماً مِّنْ اَھْلِھَا حاکما نہیں فرمایا کیونکہ تنبیہ کی ہے کہ حکمین جو بہتر فیصلہ وہ اپنے طور پر دیں وہ بغیر تکرار کے مان لیں‘‘ (امام راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔ مترجمہ میر محمد جی فاضل احمد حسن ایم۔ اے ناشر احمد حسن ایم۔ اے پشاور یونیورسٹی پاکستان طبع اوّل ۱۹۶۴ء مطبع منظور عام پریس پشاور۔ زیر لفظ ’’حکم‘‘، صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵)

امام راغب کے نزدیک حکم وہ ہوتا ہے جو کہ انصاف کرے اور اس کا فیصلہ ماننا ضروری ہو۔

ان تمام تفصیلات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیح کے متعلق ’’حکم وعدل‘‘ کے الفاظ استعمال فرما کر مسیح کے منصف اور پنچ ہونے اور اس کے فیصلہ کو غیر مشروط طور پر مانے جانے کے مقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی مقام کو دوسرے لفظوں میں روحانی حکومت بھی کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے مسیح صرف ’’حکم‘‘ فرما دینا ہی کافی تھا مگر اس کے ساتھ ’’عدل‘‘ کا لفظ استعمال فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ مخالفین نے اس مسیح کے مقام ’’حکم‘‘ میں جرح سے کام لے کر بعض نے حکم سے مراد ’’حاکم‘‘ لینا تھا۔ مگر آپؐ نے بتا دیا کہ وہ ’’، حکم‘‘ ہوگا جس کا تعلق عدالت وانصاف سے ہوگا۔

دوسرے بعض لوگوں نے اس کے فیصلوں سے سرتابی کرنا تھی اور اس کے فیصلوں کو غلط قرار دیا تھا اس لئے فرمایا کہ وہ ’’عدل‘‘ یعنی سراپا ’’انصاف‘‘ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ نے نبی اللہ قرار دیا ہے اس لئے انبیاء کے معیار پر انہیں دیکھا جانا ضروری ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو مومنوں کے دلوں پر حکومت روحانی کا ملنا مراد ہوتا ہے۔ ہاں اگر بطور انعام ظاہری حکومت بھی مل جائے تو اور بات ہے ورنہ یہ لازمہ نبوت وخلافت نہیں ہوا کرتی چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

’’اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا‘‘ (المائدہ: ۴۴)

یعنی ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور انبیاء بحیثیت حکم اس کے ذریعہ اطاعت گزار لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے۔

آپ فرمائیں کہ کیا تمام بنی اسرائیل کو ظاہری حکومت حاصل تھی؟ حضرت ہارون، حضرت ایوب، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو کہاں ظاہری حکومت حاصل ہوئی تھی؟

اس سے واضح ہے کہ انبیاء کے حکم وعدل ہونے سے مراد ظاہری حکومت لینا سنت انبیاء کے خلاف قدم مارنا ہے۔ ہاں وہ حکم وعدل ہوتے ہیں مومنوں کے لئے نہ کہ تمام لوگوں پر انہیں ظاہری حکومت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح یہ انبیاء اپنی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور متبعین تورات کے لئے حکم تھا بعینہ اسی طرح امت محمدیہ کے اندر آنے والے مسیح نے کرنا تھا کہ شریعت محمدیہ کے مطابق اس نے فیصلے کرنے تھے۔ جس طرح وہاں ''حکم'' کے لئے ظاہری حکومت ضروری نہ تھی اسی طرح یہاں بھی ضروری نہیں ہے۔

قارئین! اگر بقول مولوی صاحب کے نبوت وخلافت کی صداقت کے لئے ظاہری حکومت کا ہونا ضروری ہے اور بغیر ظاہری سلطنت کے نبوت کا تصور عیسائی تصور ہے تو دیکھئے ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ فتح مکہ سے قبل کسی ظاہری سلطنت کے سربراہ نہ تھے۔ مکہ میں آپؐ دعویٰ نبوت کے بعد تیرہ (۱۳) سال رہے اور اس طرح فتح مکہ سے قبل دعویٰ نبوت کے بعد قریباً اکیس سال رسول اللہ ﷺ ظاہراً دنیوی حکومت کے حاکم نہ تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ظاہری حکومت کا ہونا لازمہ نبوت نہیں اور پھر یہ بھی واضح ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے آنے والے مسیح کو چار مرتبہ ''نبی اللہ'' کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ (مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

پس جب مسیح موعودؑ نبی اللہ ہوا تو اس کے متعلق ظاہری حکومت کا مطالبہ کیسا غلط ہے اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ نبوت کے لئے تو نہیں البتہ ''خلافت'' کے لئے ظاہری حکومت کا ہونا ضروری ہے تو اس کے لئے بھی

نمبر۱:۔ آپ کو کوئی دلیل دینی چاہیئے جس سے ثابت ہو کہ خلافت کے لئے ظاہری حکومت لازمہ ضروریہ ہے۔

نمبر۲:۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔

''كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ'' (بخاری کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

یعنی انبیائے بنی اسرائیل سیاست کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہوتا تو نبی ہی اس کا جانشین بن جاتا۔ پس اس کے مطابق ہر نبی، خلیفہ ہوا تو کیا انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہر نبی ظاہری بادشاہت کا مالک تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ معیار جو آپ نے بنایا ہے کیسا غلط ہے؟

اور مولوی صاحب اپنے غلط خیال کی تائید میں فرماتے ہیں:۔

”روحانی اور جسمانی کا الگ الگ تصور اسلامی نہیں بلکہ عیسائی تصور ہے۔ اسلام جس حکومت وخلافت کا قائل ہے وہ بیک وقت دین ودنیا دونوں پر حاوی ہوتی ہے“ (شناخت صفحہ ۱۲)

مولوی صاحب نے اتنا بڑا دعویٰ کر دیا ہے اور اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ مولوی صاحب کو چاہئیے تھا کہ اپنے اس بیان پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل لاتے مگر مولوی صاحب کو اپنے بیان کی تائید میں نہ کوئی دلیل ملی ہے نہ ملے گی۔

قرآن مجید ہمارے سامنے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پیش فرماتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء کو ظاہراً سلطنت حاصل نہیں ہوئی تھی تو کیا آپ اس سنت انبیاء کو ٹھکرا دیں گے صرف یہ کہہ کر کہ عیسائی تصور ہے حالانکہ حقیقی اسلامی تصور وہی ہے جو قرآن سے ثابت ہوتا ہو۔

اور آپ کا یہ لکھنا کہ ”مرزا صاحب پشتوں سے انگریزوں کے محکوم اور غلام چلے آتے تھے“ اور اس سے یہ تاثر پیدا کرنا کہ آپ کو نبی ہوتے ہوئے محکوم نہیں ہونا چاہئیے تھا درست نہیں کیونکہ کسی نبی یا امام وقت کا کسی حکومت کے تحت ہونا اس کی شان نبوت ورسالت میں حارج نہیں ہے کیونکہ:۔

نمبر ۱:۔ حضرت یوسف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ یوسف میں درج ہے۔

(الف) یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے نبی ہوتے ہوئے حاکم وقت کی خوب اطاعت کی یہاں تک کہ اس کو اتنا یقین ہو گیا کہ یہ ہماری بغاوت نہیں کر سکتا بلکہ ہمارا کامل وفادار اور اطاعت گزار ہے۔ اس وجہ سے نہایت اہم عہدہ ان کو عطا کیا گیا۔

(ب) خود خدا تعالیٰ نے اس وفا شعاری کا اعلان فرمایا:۔

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف:۷۷)

حضرت یوسفؑ بادشاہ کے قانون کے اندر رہتے ہوئے اپنے بھائی کو اپنے پاس روک نہیں سکتے تھے گویا وہ اس قدر پابند قانون اور مطیع حکومت تھے کہ اپنے سگے بھائی کو بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے پاس نہ روک سکتے تھے اور نہ ہی آپؑ نے ایسا کیا۔

(ج) حضرت یوسفؑ جتنا عرصہ رہے اتنا عرصہ حاکم وقت کے محکوم رہے۔ ان کی بغاوت کا ذکر یا ان کے خود بادشاہ بننے کا ذکر نہیں ملتا۔

(د) طرفہ یہ کہ حضرت یعقوبؑ جو کو دنبی تھے وہ بھی مصر میں آئے اور وہ بھی قانون ملکی کے تحت محکوم رہے اور کبھی بھی قانون شکنی نہ کی۔

نمبر۲:۔ پھر حضرت عیسیٰؑ جو جلیل القدر نبی تھے خود رومی حکومت کے تحت رہے اور ہمیشہ ان کے قوانین کی پابندی کرتے رہے۔ ہاں جب ان پر مظالم کی انتہاء ہوگئی تو وہاں سے ہجرت کر گئے یا بقول آپ کے آسمان پر چلے گئے مگر حکومت وقت کی بغاوت نہ کی۔

نمبر۳:۔ رسول کریم ﷺ جب طائف کی طرف تشریف لے گئے تو واپسی پر مکہ کی شہریت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جو کوشش فرمائی وہ وہاں کے قبائلی سرداری نظام قانون کے مطابق تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ کسی اور حکومت کے تحت زندگی گزارنا نبوت کے منافی نہیں۔

اور آپ کا مسیح موعودؑ کے اس اقتباس کو پیش کرنا کہ ”ممکن ہے اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانے میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے ظاہری الفاظ صادق آسکیں“ (شناخت صفحہ۱۲) آپ کے مطلب کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔

مولوی صاحب نے جو حوالہ ازالہ اوہام کا قطع و برید کے ساتھ درج کیا ہے وہ یہاں پر مکمل طور پر درج کرنا ضروری ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ مولوی صاحب نے جس مقصد کے حصول کے لئے یہ حوالہ درج کیا ہے اس حوالہ کے اگلے حصہ میں مولوی صاحب نے جس مقصد کے حصول کے لئے یہ حوالہ درج کیا ہے اس حوالہ کے اگلے حصہ میں مولوی صاحب کے اس مقصد کا رد کیا گیا ہے۔

مولوی صاحب نے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ گویا مرزا صاحب نے یہ مان لیا کہ مسیح موعود جس نے آنا تھا اس کے لئے یہ امکان باقی ہے کہ وہ مسیح موعود ظاہری سلطنت کے ساتھ آجائے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے اس عقیدہ کو رد فرمایا ہے اور اپنے آپ کو مسیح موعودؑ قرار دے کر یہ بتایا ہے کہ اس امت کے موعود مسیح نے ظاہری بادشاہت کے ساتھ نہیں آنا تھا۔ اس وجہ سے میں ظاہری سلطنت کے ساتھ نہیں آیا ہوں۔ چنانچہ آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

’’میں نے صرف مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں ہاں اس زمانہ کے لئے میں مثیل مسیح ہوں اور دوسرے کی انتظار بے سود ہے اور یہ بھی ظاہر رہے کہ یہ کچھ میرا ہی خیال نہیں کہ مثیل مسیح بہت ہو سکتے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کا بھی یہی منشاء پایا جاتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا کے اخیر تک قریب تیس کے دجال پیدا ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تیس دجال کا آنا ضروری ہے تو بحکم **لکل دجال عیسیٰ** تیس مسیح بھی آنے چاہئیں۔ پس اس بیان کے رو سے ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر علماء کے لئے اشکال ہی کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت ان کی یہ مراد بھی پوری ہو جائے۔ ہاں ان کی یہ خاص مراد کشفاً و الہاماً و عقلاً و فرقاناً مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی کہ وہ لوگ سچ مچ کسی دن حضرت مسیح ابن مریم کو آسمان سے اترتے دیکھ لیں۔‘‘ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸)

اس پیراگراف میں درج ذیل امور بیان فرمائے گئے ہیں۔

۱۔ آئندہ زمانہ میں امت محمدیہ کے اندر ایسے وجودوں کے آنے کا امکان موجود ہے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کریں۔

۲۔ اس زمانہ میں مسیح کا مثیل میں ہوں۔ چونکہ زمانہ ھذا کے مثیل مسیح نے ہی مسیح

موعود ہونا تھا اس لئے میں ہی مسیح موعود ہوں اور کسی دوسرے کا انتظار فضول ہے۔

۳۔ احادیث میں جو پیشگوئیاں ہیں وہ مسیح موعود کے حق میں ہوسکتی ہیں اور کسی مثیل کے حق میں بھی ہوسکتی ہیں۔ اس لئے اگر علماء کو ظاہری حکومت والے مسیح کا ہی انتظار ہے تو ممکن ہے کہ کوئی اور مثیل مسیح ایسا بھی آجائے جو ظاہری حکومت کے ساتھ آجائے اور یہ علامت اس مثیل پر ظاہراً بھی پوری ہو جائے۔ مگر یہ قطعی بات ہے کہ اس کا تعلق مسیح موعود کے ساتھ نہیں ہے۔ آپ کے فرمودہ مسیح کی ظاہری حکومت کا ہونا آپ لوگوں کے عقیدہ کے بموجب مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کے ساتھ خاص ہے اور یہ مراد آپ لوگوں کی کہ جسم سمیت آسمان سے نازل ہو کشفاً والہاماً وعقلاً وفرقاناً پوری نہیں ہوسکتی۔ پس نہ وہ مزعومہ مسیح آسمان سے اترے گا اور نہ آپ کی ظاہری حکومت والی علامت مسیح موعود میں پوری ہوگی۔ جب اصل ہی نہ رہا تو فرع خود بخود ختم ہو جائے گی۔

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں عمر دنیا سے بھی اب ہے آگیا ہفتم ہزار

زیر نظر مسئلہ کے سلسلہ میں گزارش یہ کرنی ہے کہ مولوی صاحب نے استہزاء کے رنگ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب پشتوں سے محکوم چلے آتے تھے اور انہیں حکومت نہیں ملی۔ بقول مولوی صاحب کے مرزا صاحب نے چونکہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو ان کو ظاہری حکومت کا ملنا ضروری تھا۔

مولوی صاحب کا یہ استہزاء یہودیوں کے اس استہزاء کی نقل ہے جو عیسیٰ مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس زمانہ کے یہود نے کیا تھا اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ:۔

''سپاہیوں نے بھی پاس آکر اور سرکہ پیش کر کے اس پر ٹھٹھا مارا اور کہا کہ اگر یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا اور ایک نوشتہ بھی اس کے اوپر لگایا گیا تھا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے'' (لوقا باب ۲۳ آیت ۳۶ تا ۳۸)

پس حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے بھی یہی ظاہری حکومت کا مطالبہ ہو رہا تھا اور اس کی بنیاد بھی یہود میں موجود پہلے کی ایک پیشگوئی تھی جس کے مطابق یہود کے خیال میں مسیح موعود کا ظاہری بادشاہ ہونا ضروری تھا مگر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے اس مطالبہ کا جو جواب دیا وہ یہ ہے کہ:۔

’’میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں اگر میری بادشاہی اس دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا مگر اب میری بادشاہی یہاں کی نہیں‘‘

(یوحنا باب ۱۸ آیت ۳۶)

آج کے اس دور کے علماء بھی یہود کی طرح مسیح کی ظاہری بادشاہی کی امید لگائے بیٹھے ہیں اور آج کا مسیح بھی پہلے مسیح کی طرح یہی اعلان کر رہا ہے کہ میری بادشاہی دنیا کی نہیں ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

’’یہ عاجز دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے‘‘ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸)

پس جیسے اس زمانہ کے یہود مسیح علیہ السلام کی روحانی بادشاہت کا جواب سننے کو تیار نہ تھے اسی طرح آج کے مخالفین مسیح موعود علیہ السلام کے اس جواب کو سننے پر آمادہ نہیں ہیں۔ **فھل من رجل رشیدٍ۔**

مولوی صاحب ابھی تک آپ اس راز کو نہیں سمجھے مگر جن لوگوں نے قرآن وحدیث اور تاریخ انبیاء پر نظر ڈالی ہے۔ اور زمانہ کے حالات پر غور کیا ہے وہ مولوی صاحب کے نظریہ کے ساتھ قطعاً اتفاق نہیں رکھتے۔ دیکھئے خواجہ حسن نظامی تحریر فرماتے ہیں:۔

’’جناب رسالت مابؐ کے تخت کی جانب سے اس غلط فہمی کی اصلاح ضروری ہے جو یورپ کی قوموں میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہ لوگ ہمارے نائب مہدی کے نام سے طرح طرح کے وہم کرتے ہیں ان کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ ہمارا مہدی ان کی مملکت میں ہاتھ نہیں دالے گا۔ امن وامان کو برہم نہیں کرے گا۔ اس کا کام صرف یہ ہوگا کہ باطنی اور روحانی تسکین کے ذرائع دنیا میں شائع کرے...... اور لکھا جا چکا ہے کہ جس وقت وہ دنیا میں آئے گا سب قومیں

اسکے طریق روحانیت کو قبول کرلیں گی اور اس کی ہدایت پر عمل شروع کر دیں گی اور اسی کا نام مہدی کی حکومت ہے کہ اسلامی روحانیت کل دنیا پر مسلط ہو جائے۔ یہ نہیں کہ لوگوں کے تخت وتاج چھینے“

(خواجہ حسن نظامی ۔ کتاب الامر یعنی امام مہدی کے انصار اور ان کے فرائض حصہ دوم شیخ سنوسی صفحہ ۵۴ مطبوعہ روز بازار سٹیم پریس امرتسر ۔۱۹۱۲)

نمبر۱۰: کسر صلیب

رسالہ شناخت کے صفحہ ۱۲ پر کسر صلیب کے عنوان کے تحت مولوی صاحب رقمطراز ہیں کہ ”سیدنا حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کا سب سے اہم اور اصل مشن اپنی قوم کی اصلاح کرنا ہے“ (شناخت صفحہ۱۲)

مولوی صاحب کے عقیدہ کے بموجب نعوذ باللہ پہلی بعثت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا سے ناکام ونامراد آسمان پر جا بیٹھے حالانکہ یہ عقیدہ خلاف قرآن و عقل ہے۔

اگر آپ مسیح کی پہلی بعثت میں آپکے مشن کو ناکام ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اصلاح قوم کا اصول مسیح کے معاملہ میں صرف مسیح علیہ السلام کی دوبارہ بعثت سے خاص کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں کہ اوّل تو آپکی اپنی بات میں تضاد آ گیا ایک طرف نبیوں کا مشن قوم کی اصلاح بتانا اور دوسری طرف انہیں ناکام قرار دینا۔ دوسرے یہ کہ پھر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ آپ کے اقرار کے بموجب پہلی بعثت میں ناکام ہوئے تو اب ان کی کامیابی کی کیا ضمانت ہے؟ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دوبارہ کبھی بھی اپنے اصلی جسم کے ساتھ تشریف نہیں لایا کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے کسی بروز کے ذریعہ یہ پیشگوئی پوری فرمایا کرتا ہے۔ یہی وہ قطعی تاریخ ہے جو قرآن اور بائبل ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

”هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ

لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ‘‘ (جمعہ:۳،۴)

اس کا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ درج فرمایا ہے:۔

’’وہ ہے جس نے بھیجا بیچ ان پڑھوں کے پیغمبر انہی میں سے پڑھتا ہے اوپر ان کے نشانیاں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور تحقیق تھے پہلے اس سے البتہ بیچ گمراہی کے اور اور لوگوں کو ان میں سے کہ ابھی نہیں ملے ساتھ ان کے اور ہے غالب حکمت والا‘‘ (معجز نما عکسی قرآن مجید سورۃ جمعہ آیات مذکورہ بالا مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

ان دو آیات کریمہ میں سے پہلی آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے ایک قوم پر تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت فرما رہے ہیں اور دوسری آیت میں ایک پیشگوئی فرمائی کہ آپ ’’اور لوگوں کو ان میں سے کہ ابھی نہیں ملے ساتھ ان کے‘‘ یعنی ایک اور ایسے گروہ پر یہ چاروں کام کریں گے کہ جو ہیں تو انہیں میں سے مگر ان سے ملے نہیں ہیں۔

اس سے آنحضرت ﷺ کی دوبارہ آمد ایک اور گروہ میں جو شمار تو صحابہؓ میں ہوگا مگر ان سے ملا نہیں ہوگا میں ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ بخاری میں لکھا ہے کہ صحابہؓ میں جو کہ عرب تھے انہوں نے ان ’’آخرین‘‘ یعنی ان ’’لوگوں‘‘ کے متعلق دریافت کیا کہ **من هم یارسول الله** اے اللہ کے رسول ’’یہ آخرین‘‘ یہ ’’لوگ‘‘ کون ہیں؟ جن میں آپؐ دوبارہ آئیں گے۔ تو آنحضرت ﷺ نے ایک عجمی حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا **لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ اَوْرَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ** کہ ایمان ثریا ستارے پر بھی چلا جائے گا تو ایک یا کچھ لوگ ان میں سے ہوں گے جو اسے زمین پر لے آئیں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورہ جمعہ)

اس جواب اور تفسیر کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے بتا دیا کہ میری یہ دوبارہ بعثت ایک اور عجمی شخص کے ذریعہ ہوگی میں خود نہیں آؤں گا۔ پس رسول خدا ﷺ نے اپنی دوبارہ آمد کو اپنے بروز کے ذریعہ پورے ہونے کا ذکر فرمایا اور اس وجود کا آنا اپنا آنا بیان فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مہدی کا آنا آنحضرت ﷺ کا ہی آنا ہے۔

پھر بائبل میں اس کی مثال اس طرح ملتی ہے کہ ملا کی نبی نے پیشگوئی کی تھی کہ:۔

”دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا“ (ملا کی باب ۴ ۱۱یت ۵)

اس پیشگوئی کے بموجب یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ سچے مسیح کی آمد سے قبل ایلیاہ کا زمین پر آسمان سے آنا ضروری ہے جو کہ ان کے عقیدہ کے موافق آسمان پر چلا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی مقدس کتاب میں صاف طور پر لکھا تھا کہ ”ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا“ (۲ سلاطین باب ۲ آیت ۱۱)

مگر جب حضرت مسیح علیہ السلام آئے جو کہ سچے مسیح تھے تو یہود نے ان سے مطالبہ کیا کہ سچے مسیح سے قبل تو ایلیاہ کا آسمان سے نازل ہونا ضروری ہے چونکہ وہ نازل نہیں ہوا اس لئے تم سچے مسیح نہیں ہو سکتے حضرت مسیحؑ نے ان کے اس مطالبہ کو رد نہیں فرمایا بلکہ اس کے جواب میں حضرت یحیٰؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ پیشگوئی حضرت یحیٰؑ کی آمد سے پوری ہو چکی ہے۔ ایلیاہ کی بروزی آمد حضرت یحیٰؑ کے ذریعہ ہونہ تھی وہ ہو چکی۔ اب آپ کی مرضی ہے مانو یا نہ مانو۔ چنانچہ متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہود کے اس مطالبہ پر فرمایا ”اور الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو جس کسی کے کان سننے کے ہوں سنے“ (متی باب ۱۱ آیت ۷)

پس حضرت مسیحؑ خود فیصلہ فرما چکے ہیں کہ اس دنیا سے جانے والے لوگوں کے واپس اس دنیا میں آنے کی پیشگوئی بروزی رنگ میں پوری ہوا کرتی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج کے علماء مسیحؑ کے اس فیصلہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ کے یہود نے مسیح علیہ السلام کے اس فیصلہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ایلیاہ یا الیاس کی آمد سے بروزی آمد مراد لینا کفر ہے اور آج پھر علماء مسیحؑ کے اسی فیصلہ کو رد کر رہے ہیں اور نزول مسیح کے متعلق وہی فیصلہ نافذ کر رہے ہیں جو مسیح علیہ السلام کے مخالفین نے پہلی بعثت میں ان پر نافذ کرنے کی کوشش کی تھی۔

الغرض انبیاء کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان انبیاء گزشتہ کی اس دنیا میں واپسی کا صرف ایک ہی قانون ہے اور وہ بروزی اور روحانی طور پر ہوا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت محی

الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ ”وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ آخَرٍ“ (محی الدین ابن عربی تفسیر القرآن العظیم سورۃ النساء آیت ۱۵۹، ۱۶۰۔ المجلد الاول صفحہ ۲۹۶۔ مطبوعہ دارالاندلس بیروت)

کہ ”آخری زمانہ میں مسیح علیہ السلام کا نزول دوسرے جسم کے ساتھ ہوگا“ اور اسی کو بروز کہتے ہیں۔

پھر رسالہ ھذا میں کسر صلیب کی جو صورت پیش کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”آپ اپنی قوم نصاری کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح فرمائیں گے ان کے اعتقادی بگاڑ کی ساری بنیاد عقیدہ تثلیث، کفارہ اور صلیب پرستی پر مبنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے اجلال سے واضح ہوجائے گا کہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں لہذا تثلیث کی تردید ان کا سراپا وجود ہوگا کفارہ اور صلیب پرستی کا مدار اس پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ سولی پر لٹکایا گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بقید حیات ہونا ان کے عقیدہ کفارہ اور تقدس صلیب کی نفی ہوگی۔ اس لئے تمام عیسائی اسلام کے حلقہ بگوش ہوجائیں گے اور اپنے سارے عقائد باطلہ سے توبہ کرلیں گے۔

خنزیر خوری ان کی ساری معاشرتی برائیوں کی بنیاد تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے جس سے عیسائیوں کے اعتقادی اور معاشرتی بگاڑ کی ساری بنیادیں منہدم ہوجائیں گی۔

یہ ہے وہ کسر صلیب جس کو آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری کے ذیل میں بیان فرمایا ہے۔“ (شناخت صفحہ ۱۲، زیر عنوان کسر صلیب)

مولوی صاحب کے اس بیان سے واضح ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام عیسائی دنیا کی دو طرح کی خرابیوں اور غلطیوں کی اصلاح کریں گے۔ ایک تو ان کی اعتقادی غلطیوں کی اصلاح کریں گے اور یہی کسر صلیب ہوگی۔ دوم ان کی معاشرتی غلطیوں کی اصلاح کریں گے اور یہی قتل خنزیر ہوگا۔ (شناخت صفحہ ۱۳)

پھر مولوی صاحب نے ان اعتقادی اور معاشرتی غلطیوں یا بالفاظ دیگر کسر صلیب اور

قتل خنزیر کا وہ طریق بیان کیا ہے جو ان کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام اختیار فرمائیں گے۔ چنانچہ اعتقادی غلطیوں کی اصلاح یعنی کسر صلیب کا طریق مولوی صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے اعتقادی بگاڑ کی ساری بنیاد عقیدہ تثلیث کفارہ اور صلیب پرستی پر مبنی ہے۔ (شناخت صفحہ ۱۳)

اس کے بعد عقیدہ تثلیث کے بگاڑ کو درست کرنے کا طریق مولوی صاحب یوں درج کرتے ہیں کہ:۔

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اجلال سے واضح ہو جائے گا کہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں“ (شناخت صفحہ ۱۳)

مولوی صاحب کا مجوزہ طریق اصلاح کئی لحاظ سے نا قابل عمل ہے اور نا قابل قبول ہے کیونکہ

نمبر ۱:۔ حضرت عیسیٰؑ سے قبل بھی بہت سے انبیاء ایسے آئے کہ ان کے ماننے والے لوگوں نے بالاخر انہیں خدا بنا لیا مگر کیا اللہ تعالیٰ نے آج تک کسی بھی نبی کے گمراہ پیروکاروں کی اصلاح کا وہ طریق اختیار فرمایا ہے جو کہ مولوی صاحب بیان فرما رہے ہیں حضرت عزیر کو ابن اللہ اسی طرح مانے جانے کا ذکر قرآن مجید فرماتا ہے جیسے مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مانا جا رہا ہے مگر کیا حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کے حوالے سے خدا کر کے ماننے والوں کے لئے وہ علاج تجویز ہوا جو مولوی صاحب بیان جرتے ہیں۔

وہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کو اصلاح کی خاطر دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا بلکہ دیگر مامورین اور انبیاء کے ذریعہ اصلاح فرمائی اسی طرح یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ اسی وجود کو دنیا میں نہیں بھجوائے گا بلکہ دیگر مامورین من اللہ کے ذریعہ یہ کام ہوگا یہی سنت اللہ ہے۔

اگر آپ کا یہ طریق علاج درست ہوتا تو چاہئے تھا کہ حضرت عزیر، حضرت کرشن، اور حضرت بدھ علیہم السلام اور دیگر تمام ایسے بزرگان جو خدا کر کے پکارے جا رہے ہیں زندہ رکھے جاتے اور پھر انہیں زندہ آسمان سے جسم سمیت نازل کیا جاتا اور اس طرح بقول مولوی صاحب

ان کے نزول سے واضح ہو جاتا کہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہیں لہذا ان کی الوہیت کی تردید ان کا سراپا وجود بن جاتا مگر تاریخ انبیاء اس قسم کے خیالات کو رد کرتی اور قرآن مجید ایسے اوہام کو دور سے دھکے دیتا ہے۔

پس کیا تاریخ انبیاء گزشتہ میں آج تک کوئی نبی اس طرح ظاہری طور پر آسمان سے نازل ہوا اور لوگوں کی اصلاح کا جو طریق آپ تجویز فرما رہے ہیں اس کے مطابق اصلاح عقائد کی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اب اس سنت اللہ میں تبدیلی کیوں؟

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً (الاحزاب:۶۳)

نمبر۲:۔لدھیانوی صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کے نزول سے ان کا دوسرے انسانوں کی طرح ہونا ثابت ہو جائے گا یہ بات خلاف عقل بھی ہے ایک شخص جس کو تمام دنیا بلکہ اولین وآخرین میں سے یہ مقام حاصل کہ بموجب عقیدہ مولوی صاحب کے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت ایسی عظیم الشان کی ہو کہ دنیا میں اور کسی کو نصیب نہ ہوئی ہو دشمنوں کے ہاتھ تک اس کو نہ لگے ہوں اور وہ آسمان پر پہنچ گیا ہو۔

وہ وجود جو دو ہزار سال سے آسمان پر اسی جسم کے ساتھ زندہ ہو۔

وہ وجود جو دو ہزار سال سے بغیر خورد و نوش کے اسی جسم کے ساتھ زندہ ہو۔

وہ وجود جو دو ہزار سال گزرنے کے باوجود جوان تنومند رہے اور اس پر زمانہ قطعاً کوئی کوئی اثر نہ کورے۔

وہ وجود جو ظاہراً آسمان سے نازل ہو جبکہ اور کوئی بھی نازل نہ ہو۔

وہ وجود جس کے ذریعہ تمام دنیا کی اصلاح ہو جائے اور وہ کفر کا مکمل خاتمہ کر دے۔

ایسے انسان کے بارہ میں یہ کہنا کہ وہ عام انسانوں کی طرح انسان ہے کتنا غلط دعویٰ اور دھوکہ ہے لوگ تو عام پیروں فقیروں کے آگے سجدے کرتے ہیں تو پھر اس قدر عظیم وجود جس میں خدائی صفات ظاہراً بھی انسانوں کو نظر آتی ہوں اس کو وہ کیونکر خدائی صفات سے متصف نہ مانیں گے۔

عیسائی حضرات تو ان خوبیوں کو بیان کر کے ان کی خدائی ثابت کرتے ہیں اس کی

مثال ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے:۔

’’مسیح کا آج تک بجسد عنصری آسمان پر رہنا اور حوائج بشری منفک ہونا یعنی خورد ونوش سے فارغ ہونا اور باوجود بشریت الا کما کان کا مصداق بنے رہنا مسلمات اسلام سے ہے بر خلاف اس کے دیگر تمام بنی آدم کی نسبت قرآن میں یوں مرقوم ہے **فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ** (الاعراف:۲۶) **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتاً اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتاً** (المرسلت:۲۶، ۲۷) یعنی بنی آدم کے واسطے قانون الٰہی یہ ہے کہ ان کا پیدا ہونا اور مرنا جینا اور حشر ونشر سب کچھ زمین ہی پر ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ بشر زمین ہی پر رہ سکتا ہے خواہ وہ رسول ہو یا نبی اگر کوئی شخص بشر کہلا کر بھی آسمان پر رہ سکے تو ماننا پڑے گا کہ وہ بنی آدم سے نرالی بشریت رکھتا ہے پھر تمام انبیاء کے حق میں مرقوم ہے **وَمَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ** ۔ (الانبیاء:۹) پس جو کوئی باوجود جسد عنصری کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکے وہ تمام دیگر انبیاء سے نرالا اور افضل ہے‘‘

(حقائق قرآن۔ شائع کردہ کرسچن لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا۔ بارششم ۱۹۲۸ صفحہ:۸، ۹)

پھر مولوی صاحب نے اعتقادی اصلاح کے ضمن میں کفارہ اور صلیب پرستی کی اصلاح کا طریق بیان کیا ہے ’’کفارہ اور صلیب پرستی کا مدار اس پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ سولی پر لٹکایا گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بقید حیات ہونا ان کے عقیدہ کفارہ اور تقدس صلیب کی نفی ہوگی‘‘ (شناخت صفحہ:۱۳۰)

مولوی صاحب کے بیان کے مطابق عیسائی دنیا کی اعتقادی خرابی کفارہ کا عقیدہ ہے اور اس کا مدار حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر وفات پا جانا ہے۔ اس عقیدہ کی اصلاح کا ذریعہ مولوی صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ مسیحؑ کا زندہ ہونا اس عقیدہ کو رد کر دے گا مگر مولوی صاحب مسیحؑ کی زندگی کے لئے عجیب وغریب تصور پیش کرتے ہیں کہ انیس سو سال سے انہیں خلاف قرآن وسنت اور قانون قدرت اور عقل کے آسمان پر زندہ رکھا جائے۔

اس کی بجائے یہ کیوں نہ مان لیا جائے کہ مسیح علیہ السلام کو صلیب پر مرنے سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا تھا اور آپؑ کا وہاں سے زندہ بچ جانا عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کی مکمل اور سراپا

تردید ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن مجید اور بائبل اور تاریخ اور عقل کے عین مطابق ہے

خلاصہ کلام یہ کہ عیسائیوں کی اعتقادی خرابی کی بنیاد مسیح کا صلیب پر مر جانا ہے اور اس کا علاج مسیح کا صلیب پر نہ مرنا ہے اور زندگی پانا ہے فرق صرف یہ ہے مولوی صاحب مسیح کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ وہ انیس سو سال یا دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ رہیں پھر زمین پر آ کر اپنی زندگی کا ثبوت دے کر عیسائیوں کے عقیدہ کی اصلاح کریں مگر قرآن مجید فرماتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی غلط ہے کہ مسیح صلیب پر مر گئے تھے وہ تو صلیب سے زندہ اترے اور بعد میں زندہ رہے اور پھر وفات پائی اس طرح قرآن مجید اسی دنیا میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا علاج فرما رہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۔ (سورہ النساء: ۱۵۸)

کہ یہود نہ مسیح کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر مار سکے بلکہ مسیح ان کے لئے مشابہ بالمصلوب بنا دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کا قطعی علم نہیں ہے۔ پس یہ قطعی بات ہے کہ یہود مسیح کو کسی صورت بھی قتل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ پس عیسائیوں کے اس اعتقادی بگاڑ کی اصلاح کے لئے مسیح کا صلیب پر نہ مرنا ثابت کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے مسیح کو زندہ رکھنے کی ضرورت ہے نہ یہ سنت اللہ ہے۔ ہاں یہ کام مسیح کے بروز کے ذریعہ سنت اللہ کے مطابق سرانجام پانا تھا اور یہی درحقیقت پیشگوئی کی غرض ہے۔

اس کے بعد لدھیانوی صاحب مسیح علیہ السلام کی کارکردگی کے نتیجہ کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں ’’اس لئے تمام عیسائی اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور اپنے سارے عقائد باطلہ سے توبہ کر لیں گے‘‘ (شناخت صفحہ: ۱۳۰)

مولوی صاحب نے چونکہ غلط بنیاد پر عمارت تعمیر کی اس لئے لازماً قرآنی تعلیم کے خلاف نتیجہ نکلنا تھا۔ مولوی صاحب کا یہ بیان خود تصریحات قرآن کریم کے خلاف ہے کہ کسی

وقت تمام عیسائی عیسائیت سے توبہ کرلیں گے اور ایک عیسائی بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ساتھ چار وعدے فرمائے اور ان میں سے آخری وعدہ یہ تھا۔

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ

(آل عمران:۵۶)

کہ میں تیرے متبعین کو تیرے منکر یہودیوں پر تا قیامت غالب رکھوں گا اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ قیامت تک یہودی اور عیسائی دونوں گروہ موجود رہیں گے کیونکہ اگر یہ دونوں گروہ موجود نہ ہوں تو کس کا غلبہ اور کس پر غلبہ؟ پس غلبہ کے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (المائدہ:۱۵)

یعنی ہم نے عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان عداوت اور بغض قیامت کے دن تک پیدا کردیا ہے اس سے بھی واضح ہے کہ ان دونوں گروہوں کا قیامت تک موجود ہونا ضروری ہے اور پھر ان میں دشمنی کا موجود ہونا اور بغض کا موجود رہنا بھی ضروری ہے۔

پھر مولوی صاحب عیسائیوں کے معاشرتی بگاڑ اور اس کی اصلاح کا طریق تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’خنزیر خوری ان ساری معاشرتی بیماریوں کی بنیاد تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے جس سے عیسائیوں کی اعتقادی اور معاشرتی بگاڑ کی ساری بنیادیں منہدم ہوجائیں گی‘‘ (شناخت صفحہ:۱۳)

اس بیان میں مولوی صاحب نے معاشرتی برائیوں کی بنیاد خنزیر خوری کو قرار دیا ہے اور اس کا علاج خنزیر کا ظاہری طور پر قتل قرار دیا ہے۔ مگر یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کیا مسیح علیہ السلام صرف ایک خنزیر کو قتل کریں گے یا دنیا جہان کے تمام خنزیروں کا خاتمہ کر کے ان کی نسل صفحہ ہستی سے نابود کردیں گے؟ قابل غور امر یہ ہے کہ خنزیر تو دنیا کے تمام خطوں میں آئے دن پہلے ہی قتل ہورہے ہیں اگر آئے دن کے اس قدر خنزیروں کے قتل سے عیسائیوں کے معاشرتی

بگاڑ کی اصلاح نہ ہوسکی تو مسیح علیہ السلام کے قتل خنزیر سے کیسے اصلاح ہو جائے گی؟ دوسرے یہ کہ اگر ساری دنیا کے خنزیروں کے قتل کی مہم پر مسیح علیہ السلام نکل کھڑے ہوں گے تو خدارا بتائیے کہ انبیاء کا کام انسانوں کی اصلاح ہوا کرتا ہے یا جانوروں کے خاتمہ کے لئے جنگلوں میں عمر گزار دیا کرتے ہیں تاریخ انبیاء آپ کے سامنے ہے کیا کبھی کسی نبی نے یہ کام کیا ہے جو آپ حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے تجویز فرما رہے ہیں؟ اور مولوی صاحب! یہ مجوزہ طریق کوئی اہل عقل انسان ماننے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔ ہندو پاک میں بخاری کا معروف نسخہ جو کہ بڑی تقطیع میں ہے اور قدیمی کتب خانہ کراچی کا شائع کردہ ہے ہر جگہ مہیا ہے اس کے حاشیہ میں الشیخ المحدث احمد علی سہارنپوری فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنزِیْرَ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

”وَکَذَا قَوْلُہٗ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَمَعْنَاہُ تَحْرِیْمُ اِقْتِنَائِہٖ وَاَکْلِہٖ وَاِبَاحَۃُ قَتْلِہٖ کَذَا قَالَ الطَّیْبِیُّ وَالظَّاھِرُ اِیْجَابُ قَتْلِہٖ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یُّرَادَ بِذَالِکَ عَدْمُ تَقْرِیْرِ اَھْلِ الذِمَّۃِ عَلٰی دِیْنِھِمْ وَعَادَتِھِمْ کَمَا ھُوَ الْاٰنَ وَالْاَظْھَرُ اَنَّ الْمُرَادَ ھُوَ الْاَوَّلُ اَعْنِیْ اِبْطَالَ النَّصْرَانِیَّۃِ وَمَحْوَ آثَارِھَا“ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم۔ حاشیہ نمبر ۱۲)

قتل خنزیر کے معنی علامہ طیبی کے نزدیک خنزیر کی پسندیدگی اور اس کے کھانے کی حرمت کرنا اور اس کے قتل کرنے کو مباح قرار دینا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد قتل خنزیر کو واجب قرار دینا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ غیر مسلم اپنے دین اور اپنی موجودہ عادات پر قائم نہ رہیں گے اور ان تمام معنوں سے بہتریں معنی یہ ہیں کہ اس سے مراد پہلے درج کردہ معانی ہوں یونی (کسر صلیب اور قتل خنزیر) سے مراد عیسائیت کے دین کو باطل کرنا اور اس کے آثار کو مٹا دینا۔

اس بیان سے واضح ہے کہ ظاہری طور پر صلیبوں کو توڑتے پھرنا اور کنزیروں کو قتل کرنے کے لئے جنگلوں کا رخ کرنا تصور مسیح علیہ السلام کے حوالے سے درست نہیں ہے۔ قتل خنزیر سے مراد حرمت خنزیر کا اعلان کرنا یا پھر عیسائیوں کو ان کے عقائد باطلہ پر سے ہٹا دینا یا پھر عیسائیت کے آثار کو مٹا دینا ہے۔

کسر صلیب سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق بھی پہلے بزرگان امت محمدیہؐ فیصلہ فرما

چکے ہیں کہ اس سے ظاہری صلیب یا صلیبوں کو توڑنا نہیں بلکہ عیسائیت کی تردید کرنا اور اس کو باطل ثابت کرنا ہے چنانچہ:۔

علامہ بدرالدین المعروف علامہ عینی شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے:۔

’’فُتِحَ لِیْ ھُنَا مَعنًی مِنَ الْفَیْضِ الْاِلٰھِیِّ وَھُوَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ کَسْرِ الصَّلِیْبِ اِظْھَارُ کِذْبِ النَّصَارٰی‘‘

(عمدۃ القاری شرح بخاری۔ الشیخ الامام العلامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد۔ الجزء الثانی عشر صفحہ ۳۵ شائع کردہ ادارہ الطباعہ المنیر یہ مصر)

یعنی مجھے اس مقام پر فیض الٰہی سے الہاماً یہ بتایا گیا ہے کہ کسر صلیب سے مراد عیسائیوں کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

’’اَیْ یُبْطِلُ دِیْنَ النَّصْرَانِیَّۃِ‘‘ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۴۹۱ کتاب الانبیاء باب نزول عیسٰی بن مریم مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔ المطبعۃ العربیہ پرانی انارکلی لاہور)

یعنی کسر صلیب سے مراد عیسائیت کا ابطال ہے۔

حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

’’اَیْ فَیُبْطِلُ النَّصْرَانِیَّۃَ‘‘ (المرقاۃ الفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح علی بن سلطان محمد القاریؒ الجزء العاشر صفحہ ۲۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی وہ عیسائیت کا بطلان ثابت کر دے گا۔

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ کسر صلیب سے مراد دین نصرانیت کا بطلان ثابت کرنا ہے اور اس طرح دلیل کے میدان میں ان کو شکست فاش دے کر اسلام کی برتری ثابت کرنا ہے اور بموجب اس آیت قرآنی لَیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَیَحْیٰ مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ۔ (الانفال: ۴۳) دلائل کے ذریعہ اسلام کی زندگی اور عیسائیت کی موت کا اثبات کرنا تھا اور یہی مسیح موعود کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ یہاں پر دو باتیں بڑی واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔

نمبر۱:۔ مسیح موعود سے قبل دین نصرانیت ترقی پر ہوگا اور یہ فتنہ اور بیماری خوب پھیل چکی ہوگی کیونکہ اگر یہ فتنہ معمولی ہوتا تو اس کی تردید کی ضرورت نہ تھی۔

نمبر۲:۔ مسیح موعود کی برکت سے دین نصرانیت جو عروج پر ہوگا اس میں کمزوری پیدا ہوگی اور دلائل کے ذریعہ وہ زوال پذیر ہونا شروع ہو جائے گا اور مسیح موعود اس کا ابطال کر دے گا اب دیکھئے دونوں باتیں کس عظمت سے پوری ہوئیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے قریب کے زمانہ میں عیسائیت نے معلوم دنیا پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی ہر خطہ ان کے زیر سلطنت آ چکا تھا اور عیسائی منادوں نے ہر خطہ میں ہر حربہ استعمال کر کے ہر مذہب اور خاص طار پر مسلمانوں کو عیسائی بنانا اور صلیب کے پجاری بنانا شروع کر دیا تھا۔ اسی نقشہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے جس کو آپ نے بھی اپنے رسالہ میں درج کیا ہے۔

''جب تیرھویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گزر گئی تو یک دفعہ اس دجالی گروہ کا خروج ہوا اور پھر ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ اس صدی کے اواخر میں بقول پادری ہیکر صاحب پانچ لاکھ تک صرف ہندوستان میں ہی کرسٹان شدہ لوگوں کی نوبت پہنچ گئی اور اندازہ کیا گیا کہ قریباً بارہ سال میں ایک لاکھ آدمی عیسائی مذہب میں داخل ہو جاتا ہے''

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد۳ صفحہ۳۶۴)

یہی وہ علامت تھی جو سچے مسیح موعود سے قبل پوری ہونی ضروری تھی اور یہاں پر پوری ہوگئی اور آپ نے جس حوالہ کو بطور اعتراض درج کیا تھا وہ ایک عظیم الشان صداقت ثابت ہوگئی۔ کاش کہ آپ تقویٰ کے ساتھ غور فرمائیں۔

اب ہم اس کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں مسیح موعود علیہ السلام سے قبل عیسائیت کو ہر طرف فروغ تھا خود آپ کے علماء پادری بن رہے تھے چنانچہ پادری عبداللہ آتھم مسلمان مولوی تھا۔ پادر عمادالدین مسلمان مولوی تھا وغیرہ علماء خود عیسائیوں کے سامنے لاجواب ہو کر عیسائیت اختیار کر رہے تھے اور اس کی بنیادی وجہ یا اس کی بنیادی بیماری حیات مسیح کا عقیدہ تھا۔

مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے تو آپؑ نے اس بیماری کی جڑ کو کاٹ کر دکھا دیا اور اعلان فرمایا کہ مسیحؑ ناصری فوت ہو چکے ہیں اور آپؑ نے اس مسئلہ کو اس شدت کے ساتھ پادریوں اور عیسائیوں کے سامنے رکھا کہ ان کی پسپائی یقینی ہوگئی۔ چنانچہ آپؑ نے قرآن، حدیث، اجماع صحابہؓ، بزرگان اسلام، عقل، بائبل، طب، تواریخ ہر طرح سے اس شدت کے ساتھ اس مضمون کو بیان فرمایا کہ عیسائیوں کو لاجواب کر کے رکھ دیا۔ آج آپ ان حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان حقائق سے لوگوں کو دور کرنے کی سعی کر رہے ہیں ذرا دیکھیں کہ اس زمانہ کے خدا ترس علماء یا یوں کہو کہ جرأت مند علماء کہتے ہیں۔

”اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بہت جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنالوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرت واحکام پر اس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام وسیرت رسولؐ اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر اس کا ایمان تھا یکساں تھے۔ پس الزامی ونقلی وعقلی جوابوں سے ہار گیا مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ثابت ہوا تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں پس اگر سعادتمند ہو تو مجھے قبول کر لو اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔“

(دیباچہ معجز نما عکسی قرآن مجید مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۳۰)

اور اس وقت جماعت احمدیہ دنیا کے تقریباً 200 ممالک میں قائم ہو چکی ہے اور عیسائیوں کے گھر میں پہنچ کر ان میں سے اسلام کے فدائی پیدا کر رہی ہے اور رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے عیسائی اب مسلمان ہو کر محمد عربیؐ پر درود بھیج رہے ہیں۔ اور آپ کا یہ

لکھنا کہ اگر وفات مسیح ثابت کرنا کسر صلیب ہے تو مسیح موعود اور کاسر صلیب کے خطاب مرزا صاحب کونہیں بلکہ سرسید احمد خان کو ملنا چاہیئے۔ (شناخت صفحہ ۱۵)

یہ عجیب دھوکہ دہی اور سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے مولوی صاحب غور فرمائیں اور خدارا مخلوق خدا کو دھوکہ نہ دیں۔ بقول آپ کے سرسید نے قرآن کی آیات سے وفات مسیح کا اعلان کیا لیکن شاید آپ بھول گئے کہ یہ اعلان صرف سرسید ہی نے نہیں بلکہ روشن خیال افراد امت نے ہر زمانہ میں اس کا اعلان کیا اس لئے آپ کا سرسید کو ہی اس کا مصداق قرار دینا عدم علم کی وجہ سے ہے۔ اس طرح ایک سرسید ہی نہیں آپ کو بہت سارے کاسر صلیب مل جائیں گے۔

مولوی صاحب ذرا فرق سمجھنے کی کوشش کریں ایک عام اصول یہ ہے کہ جب کوئی بیماری اور مرض خطرناک حد تک پھیل جائے اور اپنے پورے عروج پر ہو اس وقت اس کا علاج اور دور کرنا بہت ضروری امر ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اس وقت اس کے علاج کو کمال تک پہنچانے والے کو ہی اس کا کریڈٹ جاتا ہے۔

عیسائیت تو ابتداء سے موجود تھی مگر اس مذہب نے جو جال تیرھویں صدی میں بچھایا اور جو بیماری پھیلائی وہ پہلے کبھی بھی نہیں پھیلی تھی گویا یہ بیماری انتہاء تک پہنچ چکی تھی اس وجہ سے خاص اس زمانہ میں کسر صلیب کی ضرورت پیدا ہوئی جس شدت کی بیماری پیدا ہوئی اس شدت کے ساتھ اس کا حل ضروری ہوا۔

اب اس کا دوسرا رخ دیکھئے گزشتہ بزرگان امت نے بھی وفات مسیح کا اعلان کیا مگر اس وقت چونکہ یہ بیماری اس قدر مہلک نہ تھی اس لئے اس کے علاج کرنے والے کو آنحضرت ﷺ نے کاسر صلیب کا نام نہیں دیا بلکہ یہ مسیح موعود کے ساتھ خاص ٹھہرا دیا گیا۔ پس اب جب کہ یہ بیماری انتہاء تک پہنچ گئی یو اس کا علاج بھی اس شدت کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا اور اسی نسبت سے اس کام کے سرانجام دینے والے کیسر ہی کسر صلیب کا سہرا رکھا جا سکتا ہے۔

دیکھئے رسول کریم ﷺ سے قبل قریبی زمانہ میں ابن ابی کبشہ جیسے لوگ توحید پرستی

کی طرف مائل بلکہ اس میں شہرت پا کر زبان زد عام ہو چکے تھے اسی طرح یہود بھی توحید کے مدعی تھے مگر انصاف سے فرمایئے کہ ان کے صرف اس قدر کہہ دینے کی وجہ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے درس توحید اور قیام توحید کے برابر قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا محمد عربیؐ کو چھوڑ کر ابن ابی کبشہ وغیرہ کو توحید کے علمبردار قائم کرنے والا کہا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ان کی توحید کا اعلان محمد عربیؐ کے اعلان توحید اور قیام توحید کے پاسنگ بھی نہیں ہوسکتا کیوں؟ اس لئے کہ جس تفصیل کے ساتھ رسول کریم ﷺ نے بیماری شرک کا علاج توحید کے ذریعہ فرمایا وہ اور کوئی بھی نہیں کر سکا۔

بالکل اسی قسم کا معاملہ یہاں پر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب کے زمانہ میں بعض وفات مسیح کے قائل پیدا ہوئے سر سید بھی ان میں سے تھے لیکن ان کے اس اعلان کا وہ اثر نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو لیا جبکہ مسیح موعود علیہ السلام نے اس مسئلہ کو ہر زاویہ نگاہ سے لوگوں کے سامنے رکھا اس فرق کو آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ روشنی سورج بھی دیتا ہے اور روشنی جگنو کے پاس بھی ہوتی ہے مگر دونوں میں بہت فرق ہے اگر کوئی شخص محض روشنی کی وجہ سے جگنو کو سورج قرار دے دے تو یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کے درمیانی فرق کو محسوس نہیں کیا۔

اسی طرح محض اعلان وفات مسیح اور وہ بھی سر سید کی طرح ہزیمانہ انداز میں کسر صلیب نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اس دور میں قرآن مجید، بائبل، تاریخ، حدیث، عقل اور طب غرضیکہ کئی پہلوؤں سے اس کو واضح کر دینا اور قائلین حیات مسیح و مدعیان الوہیت مسیح کو عقلی، نقلی اور روحانی مقابلوں میں بھاگنے پر مجبور کر دینا یہ وہ کسر صلیب ہے جس کی روشنی آج تک نظر آ رہی ہے اور ہمیشہ نظر آتی رہے گی۔

پھر آپ نے رسالہ کے صفحہ ۱۶ پر تحریر کیا ہے کہ

”اس بات پر غور فرمایئے کہ عیسائیوں کی صلیب پرستی اور کفارہ کا مسئلہ صلیب کے اس تقدس پر مبنی ہے کہ حضرت عیسیٰ (نعوذ باللہ) صلیب پر لٹکائے گئے اور اس نقطہ کو مرزا صاحب

نے خود تسلیم کیا ہے مرزا صاحب کو عیسائیوں سے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے بلکہ **کالمیت** (مردہ کی مانند) ہو گئے تھے اور بعد میں اپنی طبعی موت مرے...... بہرحال عیسیٰ کا صلیب پر لٹکایا جانا بھی مسلم اور ان کا فوت ہو جانا بھی مسلم۔ اس سے تو عیسائیوں کے عقیدہ تقدس صلیب کی تائید ہی ہوئی نہ کہ کسر صلیب“ (شناخت صفحہ ۱۶)

مولوی صاحب!

قرآن وحدیث اور تاریخ وعقل نے عیسیٰؑ کے صلیب پر چڑھنے وہاں سے عالم بے ہوشی میں اترنے اور پھر زندگی گزار کر طبعی وفات پانے کی تصدیق کی ہے۔ اس لئے اس کو ماننا اسلامی تعلیمات کو ماننا ہے نہ کہ عیسائیت کی تائید۔ کیا عیسائی احمدی عقیدہ کی تائید عیسائیت قرار دیتے ہیں؟ پادری تو مولویوں کا اور ان کی کتب کا شکریہ ادا کرتے ہیں نہ کہ احمدیت اور بانی احمدیت کا۔

اب آیئے ایک اور طرح سے غور کریں اور وہ یہ ہے کہ کسر صلیب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ عیسائیوں یا اہل کتاب کی ہر بات کو رد کر دیا جائے خواہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو مولوی صاحب کسر صلیب کا مطلب ان کے غلط اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے عقائد کی تردید ہے۔

اب دیکھیں اور نظر انصاف سے دیکھیں کہ عیسائیوں کے کفارہ اور الوہیت مسیح کی بنیاد کیا ہے اوّل یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر ہی ہمارے گناہوں کے کفارہ کے طور پر مر گئے اور پھر زندہ بجسد خاکی آسمان پر جا بیٹھے۔ پولوس کہتا ہے:۔

”اگر مسیح نہیں جی اٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ“ (۱۔ کرنتھیوں باب ۱۵ آیت ۱۴)

یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر عیسائی متفق ہیں اور قرآن مجید اس کی تردید فرما رہا ہے کہ یہ عقیدہ درست نہیں اور مذکورہ بالا عقائد اور خیالات نصاریٰ کے ہیں۔ پس عیسائیوں کا ضرر رسان عقیدہ جو اسلام کے لئے خطرناک ثابت ہوا وہ یہی تھا کہ عیسیٰ صلیب پر مرنے کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر بجسدہ العنصری چلے گئے۔ اسی پر بناء کر کے کفارہ والوہیت مسیح کی عمارت

تعمیر کی جاتی ہے۔

اب دیکھئے جماعت احمدیہ قرآن وحدیث اور تاریخ وعقل کی روشنی میں کیا عقیدہ رکھتی ہے۔

وہ صلیب پر نہیں مرے بلکہ بے ہوش ہو گئے اور زندہ حالت میں اتار لئے گئے۔

وہ آسمان پر زندہ بجسدہ العنصری نہیں گئے بلکہ طبعی زندگی گزار کر دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو گئے۔ اور جو فوت ہو جائے وہ دوبارہ دنیا میں زندہ ہو کر نہیں آیا کرتا ہاں ظلی اور بروزی طور پر آتا ہے۔

اب آپ ذرا اپنے عقائد کا جائزہ لیں آپ کے نزدیک وہ زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر چلے گئے وہ اب تک آسمان پر بجسدہ العنصری زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں خود نزول فرمائیں گے۔ اب ذرا موازنہ فرمایئے کہ کس کے عقائد غلط عیسائی عقائد کے ساتھ ملتے ہیں اور کن غلط عقائد کے نتیجہ میں اسلام اور قرآن اور محمد عربی ﷺ کی ہتک اور توہین لازم آتی ہے۔ پس آپ نے اپنا حال دیکھا؟ مرزا صاحب کا بظاہر ایک اشتراک جو وہ قرآن کے مطابق ہے آپ کو نظر آیا مگر اپنا پہاڑ بھی نظر نہ آیا۔ حالانکہ اختلاف وہی ہے جسے آپ نے ”صرف اتنی بات میں اختلاف“ کہہ کر کم کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ ان کے اسلام کے لئے ضرر رساں عقائد کی بنیاد صلیب پر چڑھ کر زندہ اتر آنے پر نہیں بلکہ صلیب پر مر کر پھر آسمان پر بجسدہ العنصری چلے جانے اور اب تک اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہونے پر ہے۔ جب یہ بنیاد ہی ختم ہو گئی تو ان کے مذہب کا خاتمہ ہو گیا۔

نمبر ۱۱: لڑائی اور جزیہ بند

مولوی صاحب نے رسالہ کے صفحہ ۱۶ پر ”لڑائی موقوف جزیہ بند“ کے زیر عنوان لکھا ہے کہ ”صحیح بخاری کی مندرجہ بالا حدیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کا تیسرا کارنامہ **یضع الحرب** ہے یعنی وہ لڑائی اور جنگ ختم کر دیں گے اور دوسری روایات میں اس جگہ **و یضع الجزیہ** کے لفظ ہیں یعنی جزیہ موقوف کریں گے“ (شناخت صفحہ ۱۶)

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ حدیث نبویؐ میں وضع الحرب اور وضع الجزیہ مسیح کی علامات میں بیان کیا گیا ہے اور ہر ایک مسلمان کو یہ مسلم ہے۔ مگر اس کے بعد مولوی صاحب نے اپنی دانست میں اس پیشگوئی کی ایک تشریح کی ہے اور اس پیشگوئی کے ظہور کی ایک شکل معین کرنے کی کوشش کی ہے ان کے نزدیک ''حدیث نبویؐ کا منشا یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد لوگوں کے مذہبی اور نفسیاتی اختلافات مٹ جائیں گے......اس لئے ان لوگوں کے درمیان کوئی عدوات و کدورت باقی رہے گی نہ جنگ وجدال......اور چونکہ تمام مذاہب مٹ جائیں گے اس لئے جزیہ بھی مٹ جائے گا'' (شناخت صفحہ ۱۷)

مولوی صاحب کے نزدیک وضع حرب وجزیہ کی یہ شکل ہے جو انہوں نے درج کی ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی سوچ کے لحاظ سے جو تشریح سمجھی اس کو بیان کر دینا ان کا حق ہے لیکن اپنی اس سوچ کو قطعی قرار دینے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ یا تو قطعی طور پر قرآن وحدیث ان کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوں یا الہاماً اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا ہو۔ مگر مولوی صاحب ان دونوں قطعی طریقوں کا ذکر نہیں کرتے محض ان کی اپنی سوچ ہے جسے وہ حدیث کا منشاء قرار دے کر نافذ کرتے اور پھر اس کی تکمیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث ایک غیب کی پیشگوئی پر مشتمل ہے وہ خبر جو غیب پر مشتمل ہو اس کے متعلق قبل از وقت کسی ایک تشریح پر بغیر الہام الٰہی کے اصرار کرنا اہل علم کے نزدیک جائز نہیں ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ غیب کی خبر کے متعلق قبل از وقت کوئی انسان اپنی سوچ کے مطابق تشریح کرے مگر اسے قطعی قرار نہیں دیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ اصول علم کلام کے ماہرین کہتے ہیں کہ غیب اور مستقبل کی خبروں میں اگر کوئی ایسا عقیدہ بھی ہو کہ جو بظاہر اجماعی حیثیت کا حامل ہو چکا ہو تو پھر بھی اس کے تمام پہلوؤں پر اجماع کا دعویٰ قبل از انکشاف غلط ہے چنانچہ لکھا ہے اَمَّا فِیْ الْمُسْتَقْبِلَاتِ کَاشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاُمُوْرِ الْاٰخِرَةَ فَلَا (اِجْمَاعَ۔ ناقل) عِنْدَ الْحَنْفِیَّةِ لِاَنَّ الْغَیْبَ لَامَدْخَلَ لِلْاِجْتِهَادِ فِیْهِ۔ (محبّ اللہ بن عباس شکور العظیم آبادی۔ مسلم الثبوت کامل مطبوعہ ۱۸۹۹ء مطبع الانصاری دہلی صفحہ ۲۲۵ زیر عنوان الاصل الثالث الاجماع)

حنفی علماء کے نزدیک آئندہ زمانے کی خبروں کے متعلق اجماع کا دعویٰ غلط ہے پس مولوی صاحب کے نزدیک چونکہ ان کے مسیح ابھی تک نہیں آئے اس لئے ان کا اصرار اس خاص تشریح پر جو وہ سمجھتے ہیں درست نہیں۔

البتہ اگر ان کے نزدیک کوئی مسیح ایسے نازل ہو چکے ہوں جو کہ ان کی مزعومہ تشریح پر پورے اتر چکے ہوں تو پھر وہ یہ حق رکھتے ہیں کہ واقعات کی شہادت کے ساتھ اپنی تشریح پیش کریں اور اس پر اصرار کریں یا اگر انہیں الہام الٰہی نے اس تشریح کے صحیح ہونے کا بتا دیا ہے اور پھر اگر قرآن وحدیث اس کی تائید کرتے ہوں تو پھر بھی یہ قابل غور اور قطعی امر ہو سکتا ہے۔

مگر مولوی صاحب ان تینوں قطعی طریقوں سے بے نصیب ہیں۔

قرآن مجید قطعی طور پر اس نظریہ کو رد کرتا ہے جو مولوی صاحب نے پیش کیا ہے چنانچہ دیکھئے مولوی صاحب کے نزدیک جنگ موقوف ہونے اور جزیہ ختم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ”حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد لوگوں کے مذہبی اور نفسیاتی اختلافات مٹ جائیں گے...... اس لئے نہ لوگوں کے درمیان کوئی عداوت وکدورت باقی رہے گی نہ جنگ وجدال ......اور چونکہ تمام مذاہب مٹ جائیں گے اس لئے جزیہ بھی مٹ جائے گا“ (شناخت صفحہ ۱۶، ۱۷)

حالانکہ اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کے درمیان قیامت تک بغض وعدوات کے قائم رہنے کا اعلان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔** (المائدہ ۱۵)

ہم نے یہود ونصاریٰ کے درمیان قیامت کے دن تک عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔

قرآن مجید قیامت تک یہود ونصاریٰ دونوں گروہوں کے موجود رہنے اور ان دونوں کے درمیان دشمنی کے قائم رہنے کی پیشگوئی فرما رہا ہے اور مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نہ عدوات نہ کدورت باقی رہے گی اور نہ ہی سوائے اسلام کے کوئی اور مذہب باقی رہے گا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن مجید فرماتا ہے:۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (المائدہ ۶۵)

کہ ہم نے قیامت کے دن تک یہود ونصاری کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔

اس آیت سے بھی پتہ چلا کہ قیامت کے دن تک یہود ونصاری دونوں گروہ موجود رہیں گے ان کے درمیان عداوت وکدورت بھی باقی رہے گی۔

پس مولوی صاحب کا پیش کردہ نظریہ صریحاً خلاف قرآن ہونے کے سبب باطل ہے۔ پھر قرآن مجید نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ چار وعدے فرمائے جانے کا ذکر کیا ہے ان میں چوتھا وعدہ یہ تھا کہ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ (آل عمران ۵۶)

میں تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔ اس میں یہ پیشگوئی ہے کہ قیامت کے دن تک یہود ونصاری موجود رہیں گے اور متبعین عیسیٰ نصاری کو یہود پر غلبہ رہے گا۔

قرآن مجید قیامت تک مختلف مذاہب خاص طور پر یہودیت اور عیسائیت کے موجود رہنے کا ذکر فرماتا ہے اور مولوی صاحب اس کے بالکل خلاف اسلام کے علاوہ تمام مذاہب کے مکمل خاتمہ کا اعلان کررہے ہیں۔ پس مولوی صاحب کی پیش کردہ تشریح قرآن کریم کی صریح تعلیمات کے خلاف ہونے کے سبب باطل ہے۔

مولوی صاحب نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ تو خلاف قرآن ہونے کے سبب باطل ثابت ہوا اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث نبویؐ کا صحیح مطلب کیا ہے؟

اس حدیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کے زمانہ کے حالات کا ذکر فرمایا ہے اور علامت بیان فرمائی ہے کہ مسیح مذہبی رہنما ہوگا اس کے دور میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں گے کہ ظاہری جہاد اور جنگوں کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس کے زمانہ میں مذہبی آزادی ہوگی اس لئے مذہبی جنگوں اور جہاد بالسیف کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے جہاد بالسیف نہ ہوگا۔ احادیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یضع الحرب مسیح موعود مذہبی جنگوں کے خاتمہ کا اعلان کرے گا۔ اور یہ الفاظ بھی ہیں یضع الحرب اوزارھا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ثانی صفحہ ۴۱۱ روایت ابو ہریرہؓ)

یعنی اس وقت حالات ایسے ہو چکے ہوں گے کہ مذہبی جہاد بالسیف اپنے اوزار اور اسلحہ کو ختم کر چکا ہوگا یعنی اس وقت وہ شرائط پوری نہ ہوں گی جن کی وجہ سے ہتھیاروں کا اٹھایا جاتا ہے۔ اور جب جہاد بالسیف نہ ہوگا تو جزیہ خوب بخود ختم ہو جائے گا کیونکہ جزیہ ان مفتوح لوگوں سے لیا جاتا ہے جو مذہبی جنگوں کے نتیجہ میں بزور شمشیر مغلوب ہوئے ہوں۔

اس لحاظ سے یہ تشریح قرآن کریم کے مطابق ہے اور واقعات کی شہادت اپنے ساتھ رکھتی ہے قرآن مجید کے مطابق اس طرح کہ قرآن مجید نے بعض شرائط کے ساتھ جہاد بالسیف کی اجازت دی ہے اس کے بغیر نہیں چنانچہ فرمایا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ن الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ (الحج ۴۰، ۴۱)

کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے انہیں بھی جنگ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں جنہیں بلاوجہ ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ وہ آیت کریمہ ہے جس میں جہاد بالسیف کی اجازت کا اعلان کیا گیا ہے اس میں واضح بیان ہے کہ

شرعی جہاد بالسیف کی اجازت مظلوم کو ہے ایسے مظلوم جن کے اوپر ہونے والے مظالم محض مذہبی بنیادوں پر ہوں جیسا کہ فرمایا کہ ان پر ظلم صرف اسی لئے کیا گیا تھا کہ انہوں نے ربنا اللہ کہا یعنی مذہب اسلام قبول کر لیا تھا ان کے علاوہ کوئی ان کا جرم اور قصور نہ تھا فرمایا کہ یہ مظلوم مذہبی لوگ جب جہاد بالسیف کے لئے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں کامیاب کرے گا۔

حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں ہندوستان پر انگریزی حکومت تھی اس حکومت کے اصولوں میں یہ بات شامل تھی کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور یہ ایسی معروف بات ہے کہ جسے اس دور کے تمام مشہور مسلمانوں نے قبول کیا ہے اور اسی وجہ سے انگریزی حکومت کے مستحکم ہونے کے بعد ملک ہند کو دارالسلام قرار دینے اور ان کے ساتھ جنگ نہ کرنے پر

اتفاق کیا ہے چنانچہ فرقہ اہل حدیث کے مشہور رہنما مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

’’علماء اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے مقام والا مقام فرنگ فرمانروا ہیں اس وقت سے ملک دارالحرب ہے یا دارالسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے ان کے عالموں کا تو یہی فتوی ہے کہ یہ دارالسلام ہے اور جب یہ ملک دارالسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ بڑے گناہوں میں سے ہے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں‘‘

(نواب صدیق حسن خان۔ ترجمان وھابیہ مطبوعہ ۱۳۱۲ھ مطبع محمدی لاہور فصل دوم صفحہ ۱۵)

انجمن حمایت اسلام کے جملہ ممبران نے گورنمنٹ انگریزی کے متعلق اپنا یہ اعلان شائع کروایا ہے:۔

’’عنایات گورنمنٹ کے عوض ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کے وفادار رعایا بنے رہیں اور مسلمانوں کو تو دہرا فائدہ ہے رعایا ہونے کا حق علیحدہ اور ثواب کا ثواب کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تعلیم دی اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ خدا ایسی سلطنت کو مدت تک ہمارے سر پر قائم رکھے جس کے سایہ عاطفت میں اتنا آرام پایا اور ہمیشہ ہم کو اس کا تابعدار رکھے‘‘ (اعلان مطبوعہ رپورٹ انجمن حمایت اسلام ۱۹۰۳ء)

شیعہ علامہ سید علی الحائری نے کہا:۔

’’ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی ہے۔ جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی...... اس لئے نیابتاً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے میں شکریہ ادا

کرتا ہوں اور اس ایثار پر جو وہ اہل اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے خاص کر ہمارا فرقہ شیعہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے نا قابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عادل سلطنت کے زیر حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسم رولا و تبرا کو بپابندی قانون اپنے اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں اور خلاف قانون کوئی غیر رکاوٹ کا باعث نہیں ہوسکتا اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض (جو آزادی مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہین احسان اور شکر گزار رہنا چاہیئے اور اس کے لئے شرع بھی اس کا مانع نہیں ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے نوشیرواں عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے“ (علامہ علی الحائری موعظہ تحریک قرآن۔ تقریر ۲۶ فروری ایڈیشن دوم مطبوعہ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۷۱، ۷۲ زیر عنوان خاتمہ وعظ اور برطانیہ کا شکریہ)

سید احمد بریلوی جو تیرھویں صدی کے مجدد تھے اور دیوبندیوں کے بھی مسلمہ بزرگ ہیں۔ دیکھئے

(عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین مصنفہ خلیل احمد سہارنپوری و سید حسین احمد مدنی صفحہ ۱۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

آپ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ”آپ انگریزوں سے کیوں جہاد نہیں کرتے“ فرماتے ہیں:۔

”سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں“ (مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری۔ سوانح احمدی صفحہ ۷۱ زیر عنوان سید صاحب کے سکھوں پر جہاد کرنے کی وجہ۔ مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور)

غرض انگریزی دور میں مذہبی آزادی ہر اہل مذہب کو حاصل تھی اس وجہ سے انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد بالسیف جائز نہ تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب مدنی دیو بندی نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا عقیدہ اس طرح درج کیا ہے۔

”اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہے لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز۔ ناقل) کے نزدیک بے شبہ دارالسلام ہوگا اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں“ (سید حسین احمد مدنی۔ نقش حیات مطبوعہ الجمعیہ پریس دہلی جلد دوم صفحہ ۱۱، زیر عنوان زوال حکومت کے بعد علماء کا نصب العین)

پس اس اصول کے مطابق غیر مسلم حکومت جو مسلمانوں کے مذہبی شعائر کا احترام کرے اس کے ساتھ جنگ کرنا درست نہیں ہے اور چونکہ انگریزی حکومت اسی اصول پر کار فرما تھی اس لئے ان کے ساتھ جہاد کرنا درست نہیں تھا۔

غرض اہل حدیث، شیعہ، بریلوی اور دیو بندی بزرگان اور دیگر روشن خیال مسلمان رہنما اس امر پر متفق ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ جہاد بالسیف قطعی طور پر جائز نہیں تھا۔ پس ان واقعات نے یہ گواہی دے دی کہ **ویضع الحرب** کا مقصد ہے کہ اس زمانہ میں جہاد بالسیف کی ضرورت نہ ہوگی نہ جہاد بالسیف ہوگا نہ ہی جزیہ کا سوال پیدا ہوگا۔

پس ایک طرف مدعی مسیحیت کا اس دور میں پیدا ہونا دوسری طرف جہاد بالسیف کی شرائط کا پورا نہ ہونا یہ اس حدیث کی وہ تشریح ہے جو واقعات کی شہادت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے یہی بات لوگوں کے سامنے رکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰ عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا

پس آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کا منشاء یہ تھا کہ مسیح محمدیؑ کے زمانہ میں جہاد بالسیف

کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے نہ ہی جہاد بالسیف ہوگا اور نہ ہی جزیہ کا سوال پیدا ہوگا چنانچہ واقعات نے رسول عربی ﷺ کی اس پیشگوئی کو سچ کر دکھایا اور ایسے حالات و دور میں مسیح موعودؑ مبعوث ہوئے جبکہ **یضع الحرب** کے تمام حالات موجود تھے اور اس طرح یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

اس پیشگوئی میں مذہبی جنگوں کے خاتمہ کا اعلان کیا جا رہا ہے کیونکہ مسیح موعود مذہبی رہنما ہے اس سے ہر قسم کی جنگوں کے خاتمہ کا استدلال درست نہیں ہے اس لئے مولوی صاحب کا یہ بیان کہ:۔

”دو عالمی جنگیں ہو چکی ہیں“ (شناخت صفحہ ۱۷) اس پیشگوئی کے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ جنگیں نہ تو جہاد بالسیف تھیں نہ ہی مذہبی جنگیں تھیں بلکہ خالصتاً سیاسی جنگیں تھیں اور اس پیشگوئی میں سیاسی جنگوں کے خاتمہ کا ذکر نہیں ہے۔

اس مسئلہ کو دیکھنے کا ایک اور زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اس دور میں ایک طرف تو یہ مسئلہ ہے کہ انگریزی حکومت کے خلاف شرائط جہاد پوری نہ ہوتی تھیں تو دوسری طرف مسلمانوں میں بھی جہاد بالسیف کی طاقت نہ تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ جن مسلمانوں نے جہاں جہاں اور جس جس وقت مذہبی جہاد بالسیف کا نام لے کر تلوار اٹھائی وہیں ناکام ہوئے۔ حالانکہ اگر جہاد اسلامی کی شرائط پوری ہوتیں تو وعدہ الٰہی **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ** جیسے پہلے پورا ہوتا رہا آج بھی پورا ہوتا چنانچہ اس امر کا اقرار کہ ہر ایک ایسی تحریک ناکام ہوئی خود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

”۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے کچھ قید ہوئے ہزاروں انسان قتل ہوئے شہزادے قتل ہوئے ان کا خون کیا گیا ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۱۴ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں بھی شکست کھائی اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی

مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔ دہلی میں ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا ایک اجتماع ہوا اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا راستہ غلط ہے موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً ناممکن ہے۔" (خان کابلی۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۲۰)

تشدد یعنی جہاد بالسیف کا یہ راستہ غلط ہے یہ وہ نتیجہ ہے جس پر تحریک ختم نبوت کے بانی سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے ہم خیال لوگ ایک نہایت ہولناک اور خونیں راستہ سے گزر کر پہنچے مگر حضرت مرزا صاحب نے پہلے سے ہی بتا دیا تھا کہ اس دور میں جہاد بالسیف اور تشدد کا یہ راستہ اختیار کرنا غلط ہے اور خلاف شریعت اسلامیہ ہے اور آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسیح محمدیؐ آ گیا ہے اور اس کی علامات میں سے **یضع الحرب** بھی ہے جس کا یہی مطلب ہے کہ اس دور میں امت محمدیہؐ کے لئے جہاد بالسیف کی شرائط پوری نہ ہوں گی اس وجہ سے جہاد بالسیف کا راستہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

اب چھوڑ دو جہاد کا ایک دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰؐ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
یہ حکم سن کے جو بھی لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا
اک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۷۷، ۱۸)

پس یہ پیشگوئی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ پوری ہوگئی اس کے لئے مولوی صاحب کے مجوزہ خلاف قرآن و عقل طریق کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود زمانہ نے گواہی دے دی حالات نے ثابت کر دیا کہ حدیث کا وہی مطلب صحیح ہے جو حضرت مرزا صاحب نے پیش فرمایا ہے اور یہ علامت پوری ہو چکی۔

نمبر۱۲: دجال کی تعیین اور قتل دجال

مسیحؑ کے کارناموں کے بیان میں اسی رسالہ کے صفحہ ۱۷ پر مولوی صاحب نے ''قتل دجال'' کے عنوان کے تابع لکھا ہے کہ ایک عظیم الشان کارنامہ قتل دجال ہے اور پھر مولوی صاحب نے اپنے لحاظ سے احادیث کی روشنی میں دجال کا مختصر قصہ لکھا ہے۔ چونکہ مولوی صاحب کا ذہن اس موقع پر ''قصہ'' کی طرف مبذول تھا اس لئے دجال کے متعلق بیان کرتے ہوئے اسے قصہ کہانی بنانے کے شوق میں ایسے طور پر درج کیا کہ واقعی اس قسم کی باتیں قصے کہانیوں میں ہی بیان ہوسکتی ہیں۔ عملی دنیا میں نہ ایسی باتیں ہوسکتی ہیں نہ کبھی ہوں گی۔

قارئین! یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم افصح العرب محمد مصطفیٰ ﷺ کے عارفانہ کلام کو غور سے دیکھیں اور اس ارفع شان کے کلام کو قصوں اور کہانیوں کے ساتھ نہ ملائیں۔ دشمنان اسلام نے قرآن مجید کو قصے کہانیاں قرار دیا تھا اور اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (الانفال:۳۲) کہا تھا اور آج کے علماء محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان سے جاری عظیم الشان پیشگوئیوں کو قصے اور کہانیاں ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحب نے واقعۃً اس عظیم الشان پیشگوئی کو قصہ وکہانی کا رنگ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور وہ تمام امور جو اس پیشگوئی کی حقیقت سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کرسکتے تھے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔

بہرحال دجال کا خروج اور اس کا قتل مسیح موعود علیہ السلام کی علامات میں سے ہے۔

مگر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دجال کی تعیین ہوجائے کہ دجال کون ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے مختلف اور متنوع مواقع پر دجال کی پہچان کرنے کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے پاس اس کی علامات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان احادیث میں آپؐ نے ایسے بنیادی اور کلیدی امور کو بیان فرمایا ہے کہ جن سے فتنہ دجال کی تعیین کرنا مشکل نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں چند باتیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں:۔

(i) پہلی بات یہ ہے کہ احادیث مبارکہ اور لغت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دجال کسی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ یہ اسم جمع ہے جو بہت سارے افراد کا احاطہ کرتا ہے۔ چنانچہ:۔

(الف) ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود دجال کا لفظ جمع کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں:۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخرُجُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالٌ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ" (کنز العمال کتاب القیامۃ من القسم الاول صفحہ ۱۷۴ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

یعنی آخری زمانہ میں دجال ظاہر ہوگا وہ دنیا کو دین کے نام پر دھوکہ دیں گے۔ یہاں پر دجال کا لفظ استعمال فرما کر اس کی طرف اس لمبی حدیث میں مسلسل کئی مرتبہ جمع کی ضمائر لوٹائی گئی ہیں جس سے واضح ہے کہ دجال کا لفظ جمع کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(ب) لغت عرب میں "دجال" سے گروہ بھی مراد لیا گیا ہے۔ المنجد عربی زبان کی عام اور ہر جگہ دستیاب کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے:۔

"الدجالۃ: الرفقۃ العظیمۃ تغطی الارض بکثرۃ اھلھا" (المنجد زیر لفظ دجال)

یعنی ایسا عظیم گروہ جو اپنی کثرت کی وجہ سے زمین کو ڈھانپ لے۔ پس عربی زبان میں دجال کا لفظ صرف واحد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ زیادہ افراد کے لئے بھی استعمال ہوجاتا ہے۔

(ii) دوسری بات یہ ہے کہ دجال کے حالات و واقعات جو احادیث میں مروی ہیں وہ خود ظاہر کر رہے ہیں کہ دجال کے متعلقہ علامات کا ظاہر کے ساتھ تعلق نہیں ہے بلکہ یہ باتیں تعبیر طلب ہیں اور آنحضرت ﷺ کے یہ مکاشفات ہیں جن میں دجال کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ:۔

اگر ان احادیث میں مندرج باتوں کو ظاہراً مان لیا جائے تو دجال میں خدائی طاقتوں کو ماننا پڑے گا جو صریحاً خلاف قرآن و مسلمہ عقائد امت اسلامیہ ہے۔ مثلاً (الف) جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس نے مومنوں کے ساتھ جنات کا اور مکذبین کے ساتھ دوزخ کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر دجال کے ذکر میں حدیث میں لکھا ہے:۔

"مَعَہٗ جَنَّۃٌ وَّنَارٌ" (مسلم کتاب الفتن۔ باب ذکر الدجال)

دجال کے ساتھ جنت اور آگ یعنی دوزخ ہوگی۔

حالانکہ دجال دشمن خدا اور رسولؐ ہوگا۔ پھر اس کا قبضہ جنت اور دوزخ پر کیسے ہو سکتا ہے۔

(ب) بارش برسانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر حدیث میں اسے دجال کے کامل قبضہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ الفاظ حدیث یہ ہیں کہ:۔

‘‘یَاْتِیْ عَلَی الْقَوْمِ فَیَدْعُوْھُمْ فَیُوْمِنُوْنَ بِہٖ فَیَاْمُرُ السَّمَآءَ فَتُمْطِرُ الْاَرْضَ ’’(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات)

یعنی دجال ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں اپنی دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ دجال بادلوں کو حکم دے تو وہ زمین پر بارش برسا دیں گے۔ اگر اس کو ظاہراً مانا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دجال کو بادلوں پر کامل اقتدار حاصل ہوگا اور اس زمانہ میں بادل اس کے حکم کے تابع ہوں گے۔

(ج) کسی کو مرنے کے بعد زندہ کرنا خلاف قرآن ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

‘‘اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ’’(الزمر۴۳)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسانی جانوں کو موت کے وقت اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ جس پر موت کا وقت نہ آیا ہو اس کی روح نیند کی حالت میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس کے متعلق موت کا فیصلہ جاری ہو چکا ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے پاس روک لیتا ہے۔

اسی طرح فرمایا وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء۹۶)

جس بستی کو ہم ہلاک کر چکے ہوں اسی بستی کے لوگ کبھی دنیا میں واپس نہیں آ سکتے۔ مگر دجال کے متعلق لکھا ہے:۔

‘‘یَدْعُوْا رَجُلاً مُمْتَلِئاً شَبَاباً فَیَضْرِبُہٗ بِالسَّیْفِ فَیَقْطَعُہٗ جَزْلَتَیْنِ رَمْیَۃَ الْغَرَضِ ثُمَّ یَدْعُوْہُ فَیُقْبِلُ وَیَتَھَلَّلُ وَجْھُہٗ یَضْحَکُ’’

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات)

یعنی دجال ایک خوبصورت نوجوان کو بلائے گا۔ اسے تلوار سے دو حصے کر کے تیر کے نشانے کے فاصلے پر پھینک دے گا۔ پھر اسے بلائے گا تو وہ اس کی طرف ہنستا مسکراتا چلا آئے گا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ مومن کو دجال آرے سے سر سے پاؤں تک دو حصوں میں چیر کر پھر زندہ کر دے گا۔ (مشکاۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں **فَیَقْتُلُهٗ ثُمَّ یُحْیِیْهِ** (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات) یعنی دجال ایک شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کرے گا۔

اب اگر یہ ظاہراً اس طور پر مانا جائے تو خلاف قرآن ہے۔

(iii) احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ دجال کے متعلقہ علامات کا ظاہری طور پر پورا ہونا نہیں مانتے تھے بلکہ ان کے نزدیک ان تمام علامات کا ظاہری طور پر پورا ہونا ضروری نہ تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:۔

’’**عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَاَیْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ یَحْلِفُ بِاللّٰهِ اِنَّ ابْنَ الصَّیَّادَ الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ عُمَرَ یَحْلِفُ عَلٰی ذَالِکَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ یُنْكِرْهُ النَّبِیُّ ﷺ**‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب قصۃ ابن صیاد)

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو یہ قسم کھاتے ہوئے سنا کہ ابن صیاد دجال ہے۔ ابن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ اللہ کی قسم کھا کر بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا میں نے حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ قسم کھاتے ہوئے سنا ہے مگر آنحضرت ﷺ نے اس کو منع نہیں فرمایا تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حجرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر قسم کھاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا اس بیان سے منع نہ فرمانا حدیث تقریری کا درجہ رکھتا ہے۔

دجال کے متعلق مروی اکثر علامات ظاہراً ابن صیاد میں نہ پائی جاتی تھیں مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اس کے بارہ میں دجال ہونے کا خیال ظاہر کرنا

ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے نزدیک ان علامات کا ظاہراً پورا ہونا ضروری نہ تھا ورنہ ابن صیاد کے بارہ میں دجال ہونے کا واہمہ بھی کسی کو نہ ہو سکتا تھا کیونکہ:۔

ابن صیاد نے خدائی کا دعویٰ کیا نہ نبوت کا۔
ابن صیاد کے ماتھے پر کافر نہ لکھا ہوا تھا۔
ابن صیاد نے کوئی جنت دوزخ نہ بنائی تھی۔
ابن صیاد کے پاس بارش برسانے کی کوئی طاقت نہ تھی۔
ابن صیاد کے پاس زمین کے خزانے اگلوانے کی کوئی طاقت نہ تھی۔
ابن صیاد نے کسی شخص کو دولخت کر کے زندہ نہ کیا تھا۔

غرض وہ علامت جو مولوی صاحب نے اپنے رسالہ میں دجال سے متعلقہ درج کی ہیں وہ علامات ظاہراً ابن صیاد میں پوری نہ ہونے کے باوجود اس کے میعلق دجال ہونے کا خیال پیدا ہونا ثابت کرتا ہے کہ دجال کی علامات کا ظاہراً پورا ہونا قطعاً ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔

(iv) احادیث مبارکہ میں دجال کے متعلقہ علامات میں ایسے قرائن موجود ہیں جو خود ظاہر کر رہے ہیں کہ ان تمام علامات کا ظاہراً پورا ہونے کا خیال درست نہیں ہے۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ:۔

”مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ کَافِرٌ یَقْرَءُ کُلُّ مُوْمِنٍ کَاتِبٍ وَغَیْرِ کَاتِبٍ“

(مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

یعنی دجال کی آنکھوں کے درمیان ”کافر“ کا لفظ لکھا ہوگا جسے ہر مومن پڑھ لے گا خواہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو۔

مولوی صاحب نے بھی لکھا ہے ”ماتھے پر کافر“ یا (ک۔ف۔ر) لکھا ہوگا جسے ہر خواندہ و ناخواندہ مسلمان پڑھے گا۔ (شناخت صفحہ ۱۷)

اب ظاہر بات ہے کہ اگر ظاہری طور پر ”کافر“ یا ”ک۔ف۔ر“ دجال کے ماتھے پر لکھا ہوگا تو یہ بات تو درست ہے کہ ہر پڑھا لکھا پڑھ سکے مگر ہر ان پڑھ مومن کا بھی اسے پڑھ

لینا ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد ظاہری طور پر لکھا ہونا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا کفر ایسا کھلا ہوگا کہ جسے ہر مومن پہچان لے گا۔ اس کی پہچان کے لئے مومن کا ہونا شرط ہے پڑھا لکھا ہونا شرط نہیں ہے۔ حالانکہ اگر ظاہری طور پر ماتھے پر ”کافر“ لکھا ہو تو اس کے لئے ظاہری طور پر پڑھا لکھا شرط ہونی چاہئے تھی نہ کہ مومن ہونے کی شرط۔ یاد رہے کہ کتابت سے مراد ظاہری کتابت نہیں ہوسکتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ** (المجادلہ ۲۳) خدا نے ان کے دلوں پر ایمان لکھ دیا ہے۔ اب یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ صحابہؓ کے دلوں پر ا۔ی۔م۔ا۔ن لکھ دیا گیا تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں مستحکم اور پختہ ہوگیا۔ اسی طرح دجال کے ماتھے پر ک۔ف۔ر لکھا ہونا سے مراد کفر کا واضح اور کھلا ہونا ہے۔

درحقیقت آنحضرت ﷺ نے اپنے اس فصیح کلام مین دجال کے کفر واضھ کی تصویر کشی فرمائی ہے اور ظاہراًان تمام علامات کے پورا ہونے کے خیال کو رد فرمایا ہے۔

”دجال کی تعیین“

اب دیکھنا یہ ہے کہ دجال کون ہے؟ اس کی تعیین کے سلسلہ میں قرآن مجید اور احادیث نے بالوضاحت بیان فرمایا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ غور کیا جائے۔ چنانچہ حدیث ہے:۔

نمبرا:۔ **عَنْ عِمْرَانِ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَابَيْنَ خَلْقِ آدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔**

(مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ وذکر الدجال الفصل الاول)

یعنی آدم کی پیدائش سے قیامت کے دن تک سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نبی نے اپنی امت کو فتنہ دجال سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ:۔

”ذَكَرَ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَاطْنَبَ فِيْ ذِكْرِهٖ وَقَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْذَرَ اُمَّتَهٗ اَنْذَرَهٗ نُوْحٌ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ بَعْدِهٖ“

(بخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع، ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال)

یعنی آنحضرت ﷺ نے تفصیل کے ساتھ مسیح دجال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہر ایک نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے۔ نوح اور آپ کے بعد کے انبیاء نے بھی اس فتنہ سے ڈرایا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ فتنہ دجال خلق آدم سے لے کر قیامت کے دن تک سب سے بڑا خطرناک فتنہ ہے۔

ان احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ سب سے بڑا فتنہ دجال ہے جب قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن مجید سب سے بڑا فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمَانُ وَلَدًا. لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا. تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. اَنْ دَعُوْا لِلرَّحْمَانِ وَلَدًا.

(مریم:۸۹تا۹۲)

فرمایا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے (تو کہہ دے) تم ایک بڑی سخت بات کہتے ہو۔ قریب ہے کہ (تمہاری اس بات سے) آسمان پھٹ کر گر جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے خدائے رحمان کا بیٹا قرار دیا ہے۔

پس احادیث نے سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ قرار دیا ہے اور قرآن مجید نے سب سے خطرناک اور تباہ کن فتنہ عیسائیت کا فتنہ قرار دیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کو ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ ہے اور دجال کے فتنہ سے مراد عیسائیت کا فتنہ ہے۔

نمبر۲:۔ دوا کی تجویز ہمیشہ بیماری کے مطابق کی جاتی ہے اور دوا کی تجویز سے بیماری کا اندازہ عقل ونظر کو ہو جایا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس لحاظ سے بھی ہمارے لئے اس مسئلہ کو کھولا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فتنہ دجال سے بچنے کے لئے جو نسخہ اور طریق بیان فرمایا ہے وہ نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

”فَمَنْ اَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ وَفِیْ رِوَايَةٍ

فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ فَاِنَّهَا جَوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهٖ ‘‘

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ وذکر الدجال)

فرمایا کہ جو کوئی تم میں سے دجال کو پائے وہ اس کے سامنے سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ دجال کے سامنے سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات پڑھے کیونکہ یہ فتنہ دجال سے بچانے والی ہیں۔

فواتح سورۃ الکہف کی تشریح حدیث میں یوں ملتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

’’مَنْ حَفِظَ عَشَرَ آيَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ‘‘

(سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال)

فرمایا کہ جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات یاد رکھے گا وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

یہ آیات جو آنحضرت ﷺ نے دجال کے فتنہ کے علاج کے طور پر بیان فرمائی ہیں ان مین فتنہ عیسائیت کا ذکر ہے۔ خاص طور پر عیسائیت کے غلط عقائد کے فتنہ کا ذکر ہے۔ مثلاً فرمایا:۔

’’وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا. مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِاٰبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِباً‘‘ (سورہ الکہف:۵،۶)

یعنی آنحضرت ﷺ پر قرآن مجید کے نزول کا مقصد ان لوگوں کو انذار کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ (فرمایا کہ) انہیں اس بارہ میں کچھ بھی تو علم نہیں اور نہ ان کے بڑوں کو (اس بارہ میں کوئی علم تھا) یہ بہت بڑی (خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ وہ محض جھوٹ بول رہے ہیں۔

یہ آیات واضح طور پر عیسائیت کے مذہبی واعتقادی فتنہ کی شناعت اور اس کے خطرناک ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کا سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات کو فتنہ دجال کے علاج کے طور پر بیان فرمانا اور ان آیات کا عیسائیت کے بگڑے ہوئے عقائد کی شناعت کو بیان فرمانا ظاہر

فرما رہا ہے کہ دجالی فتنہ سے مراد یہی عیسائیت کے خراب عقائد کا فتنہ ہے کیونکہ علاج بیماری کے مطابق ہوتا ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورہ کہف کی آخری آیات یاد کرے گا وہ بھی دجالی فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال)

سورہ کہف کی آخری آیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں مسیحی قوم کے دنیوی اور صنعتی فتنہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

’’قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً. اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً‘‘ (الکہف:۱۰۴، ۱۰۵)

فرمایا کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹا پانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام کوشش اسی دنیا کی زندگی کے لئے ہی صرف ہوگئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صنعت میں کمال حاصل کر رہے ہیں۔

قاری محمد طیب صاحب ان آیات کا مصداق موجودہ امت مسیحیہ کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

’’پس اس ترکیب وتحلیل کے اصول سے اسی مادی قوم نے بلاشبہ ایجادی ترقی کی اور کرنی چاہئے تھی کہ یہ اصول ہی ترقی کا تھا لیکن روح کی بجائے اس کا میدان مادہ قرار پایا۔ مادہ کے مقامات کھولے۔ لوہے کو بلوا دیا۔ وزنی دھاتوں کو نچادیا۔ پہاڑوں کو برمادیا۔ شہروں کو جگمگا دیا۔ بدنوں کو گرمادیا اور مادہ کو ہمرنگ روح بنا کر زندہ دکھا دیا۔ لیکن اس ظاہری اور نمائشی حیات کے ذریعہ باطن ہمرنگ مادہ بنا کر زندگی سے دور کرلیا۔ قلوب کو مردہ بنالیا۔ نفوس کو تاریک کر دیا۔ اقلیم جان میں خاک اڑا دی اور صورت کو سنوارنے کے پیچھے حقیقت کھودی اور انجام بگاڑ لیا۔ محسوسات میں تدبر کی دولت ختم کر کے مغیبات اور اسرار سے الگ ہوگئے۔ کیا اور کھو دیا۔ محنت کی اور رائیگاں کردی۔ دنیا تو ایک مقررہ مدت کے بعد کھودی اور آخرت کو پہلے کھودیا۔ اسی لئے نہ دنیا ہی ہاتھ لگی نہ آخرت۔ **اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ**

یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعاً ... وَرُسُلِیْ هُزُواً'' (قاری محمد طیب۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام۔ مئی ۱۹۸۶ء ایڈیشن اول احمد برادرز پرنٹر کراچی صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱)

اپنے اس بیان میں قاری صاحب نے قبول کرلیا ہے کہ موجودہ مسیحی قوم کے کام اور انجام سورہ کہف کی آخری آیات کے مصداق ہیں۔

پس سورہ کہف کی آخری آیات میں مسیحی قوم کے صنعتی فتنہ کا ذکر ہے اور آنحضرت ﷺ نے امت محمدیہؐ کو سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات کی طرف دجال کے فتنہ سے بچنے کے لئے توجہ دلائی ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہی تھا کہ امت محمدیہؐ کے افراد ان آیات میں مذکور فتنے سے واقف ہوکر محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:۔

''مَعْنَی الْحَدِیْثِ اَنَّ مَنْ قَرَءَ مِنْ هَذِهِ الْاٰیَاتِ وَتَدَبَّرَهَا وَقَفَ عَلَی مَعْنَاهَا حَذْرَهٗ فَاَمِنَ مِنْهُ'' (شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندی حاشیہ بر سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال جلد ثانی صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ پاکستان)

اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص ان آیات کو غور سے پڑھے گا اور ان کے معانی پر واقفیت حاصل کرے گا وہ دجال سے محتاط ہو جائے گا اور اس سے امن میں آجائے گا۔

پس ان آیات میں عیسائیت کے اعتقادی و مادی فتنہ کا ذکر ہے اور یہی وہ دجالی فتنہ ہے جس سے بچنے کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات کی طرف رسول اللہ ﷺ نے توجہ دلائی ہے۔

نمبر۳:۔ آنحضرت ﷺ نے دجال کے بارہ مین تمیم داری کے بیان کا ذکر فرمایا جو تفصیلاً مسلم کے حوالے سے مشکوٰۃ کتاب الفتن باب العلامات میں درج ہے۔ اس میں یہ امر بیان ہے کہ دجال کا تعلق گرجا گھر سے ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ تمیم داری نے بیان کیا کہ:۔

''دَخَلْنَا الدَّیْرَ فَاِذَا فِیْهِ اَعْظَمُ اِنْسَانٍ رَاَیْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَاَشَدَّهٗ

وَثَاقًامَجْمُوْعَةٌ يَدُهَ اِلٰی عُنُقِهٖ مَابَیْنَ رُکْبَتَیْهِ اِلٰی کَعْبَیْهِ بِالْحَدِیْدِ‘‘

ہم گرجا گھر میں داخل ہوئے تو وہاں ایک ہیبت ناک آدمی کو دیکھا جو مضبوطی کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ لوہے کے ساتھ اس کی گردن پر گھٹنوں اور ٹخنوں کے درمیان بندھے ہوئے تھے۔

اس میں دجال کے گرجا گھر میں بندھے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے کہ جب اس کو فتنہ پھیلانے کی قوت تو تھی مگر آزادی نہ ملی تھی اور آئندہ زمانہ میں اسی دجال کو فتنہ پھیلانے کی اجازت دی جانی تھی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

’’وَاِنِّیْ یُوْشَكُ اَنْ یُوْذَنَ لِیْ فِی الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجُ فَاَسِیْرُ فِیْ الْاَرْضِ فَلَا اَدَعُ قَرْیَةً اَلَّاهَبَطْتُهَا فِیْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً غَیْرَ مَكَّةَ وَطَیْبَةَ‘‘

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات)

دجال نے جو گرجا گھر میں بندھا ہوا تھا بیان کیا کہ مجھے آئندہ خروج کی اجازت ملے گی۔ میں نکلوں گا اور ساری دنیا میں پھر جاؤں گا اور چالیس راتوں میں میں مکہ اور مدینہ کے سوا باقی سب بستیوں میں چکر لگا لوں گا۔

غرض یہ حدیث ظاہر فرما رہی ہے کہ دجال کا تعلق گرجا گھر سے ہے۔ یعنی عیسائیت سے ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ دجال قید تھا مگر آئندہ اسے ہی اجازت خروج ملنا تھی اور اس کا غلبہ زمین پر ہو جانا تھا۔

نمبر۴:۔ چوتھا امر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کا کام دجال کا خاتمہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کر دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

’’اِنْ یَكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ اِنَّمَا صَاحِبُهُ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ‘‘

(مشکوٰۃ کتاب الفتن باب قصہ ابن صیاد)

فرمایا کہ اگر یہی دجال ہے تو اس کو قتل کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ اس کا کام تمام کرنا صرف مسیح علیہ السلام کا کام ہے۔

دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کا بڑا کام کسر صلیب ہے۔

(مشکوٰہ المصابیح کتاب الفتن باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

پس مسیح موعود کا عظیم الشان کام ایک طرف فتنہ صلیب کو دور کرنا اور دوسری طرف فتنہ دجال کو ختم کرنا بیان فرمانا ظاہر فرما رہا ہے کہ درحقیقت یہ دونوں ایک ہی فتنہ کے دو انداز بیان ہیں اور دجالی فتنہ سے مراد درحقیقت صلیبی فتنہ یا عیسائیت کا فتنہ ہی ہے۔

نمبر۵:۔ پانچواں امر یہ ہے کہ دجال سے متعلقہ تمام علامات اس دور کے صلیبی فتنہ پر پوری اترتی ہیں۔ اس لئے ان علامات نے پورا ہو کر یہ ثابت کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو پیشگوئی دجال کے متعلق بیان فرمائی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ قبل ازیں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ دجال سے مراد فرد واحد نہیں اور دوسرے یہ کہ ان تمام علامات کا ظاہراً پورا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اپنے مفہوم کے لحاظ سے اپنی حقیقت کے لحاظ سے یہ تمام علامات پوری ہو چکی ہیں۔ مثلاً:۔

نمبر۱۔ فرمایا کہ اِنَّ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ اَعْوَرُ عَیْنِ الْیُمْنیٰ ۔

(مشکوٰہ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

یعنی دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور یہ واضح ہے کہ دایاں پہلو دین پر دلالت کرتا ہے۔ روحانیت کا علمبردار ہے اور ''یمن'' عربی میں برکت کو کہتے ہیں۔ پس دجال کی یہ علامت ہے کہ اس کی دین کی آنکھ نہ ہوگی۔ اس لحاظ سے کانا ہوگا۔

عیسائیت کی موجودہ صورت کہ ایک انسان کو خدا بنانا، تمام انسانوں کے گناہ ایک انسان پر لاد کر اسے مروانے کا عقیدہ رکھنا اور دیگر عقائد باطلہ باوجود ظاہری علمی ترقی کے یہ دین کے فقدان اور روحانیت کے نہ ہونے کا اعلان ہے۔ قرآن مجید نے بھی مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی (بنی اسرائیل ۷۳) میں روحانی بصیرت نہ رکھنے والوں کو ہی

نابینا قرار دیا ہے۔ علم تعبیر الرؤیا میں بھی آنکھ کی خرابی سے مراد دین کا نقص لیا گیا ہے۔
(علامہ ابن سیرین خواب نامہ کبیر اردو ترجمہ کامل التعبیر ۔ زیر عنوان آنکھ۔ صفحہ ۲۱۰ ناشر ادارہ اسلامیات ایڈیشن اوّل۔ وفاق پریس لاہور)

نمبر۲:۔ ایک علامت یہ بتائی ہے کہ اس کی پیشانی پر کافر یا ک۔ف۔ر لکھا ہوگا جسے ہر خواندہ و ناخواندہ پڑھ لے گا۔ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ کَافِرٌ یَقْرَءُ کُلُّ مُوْمِنٍ کَاتِبٍ وَغَیْرَ کَاتِبٍ۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

مراد یہ ہے کہ اس کا کفر بڑا واضح ہوگا۔ اس کا کفر دیکھنے کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

موجودہ عیسائی مذہب کے بگاڑ کا فتنہ اس قدر واضح ہے کہ کسی مومن کے لئے جو بصیرت رکھتا ہو اس فتنہ کو سمجھ لینا کوئی مشکل امر نہیں۔ وہ مذہب جو ایک انسان کو خدا بنا رہا ہو، وہ مذہب جو ایک نبی کو صلیب پر مروا کر لعنتی ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو...... تین خداؤں کی تعلیم دیتا ہو۔ تین ایک اور ایک تین کا نظریہ پیش کرتا ہو۔ ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ یہ غلط عقائد ہیں لیکن اس زمانہ کے پادری انہی غلط عقائد کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اور ان غلط عقائد کی علامت صلیب کے طور پر اپنے گلوں کا ہار اور ماتھوں کا جھومر بنائے پھر رہے ہیں۔

اسی طرح عیسائی سکالرز جنہوں نے دنیوی علوم میں بہت شہرت حاصل کی مگر اس کے باوجود ان غیر معقول نظریات کے پیرو اور ایک عاجز بندہ کے عبادت گزار بنے ہوئے ہیں۔ مگر ہر ایک مومن کو ان عقائد کے غلط ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مومن لکھا پڑھا ہو یا ان پڑھ ہو اسے دلائل آتے ہوں یا نہ آتے ہوں وہ یہ ضرور جانتا ہے کہ بندہ کو خدا بنانے کا عقیدہ صحیح نہیں ہوسکتا اور یہی وہ علامت ہے جو حدیث میں بیان کی گئی تھی اور اب ان اقوام میں پوری ہوئی۔

نمبر۳:۔ ایک علامت دجال کی یہ بتائی گئی تھی کہ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَنَارُهٗ۔
(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

یعنی دجال نے اپنی جنت دوزخ بھی بنا رکھی ہوگی۔ (شناخت صفحہ ۷) اب جنت اور دوزخ حقیقی تو اللہ کے پاس ہے اور اسی کی قدرت میں ہے۔ اس جنت اور دوزخ کی مثال تو مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ہے۔ یعنی اس جنت کو تو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ اس کی حقیقی کیفیات کسی بشر کے دل پر وارد ہوئی ہیں۔

مگر دجال کے پاس موجود دوزخ اور جنت تو سب دیکھیں گے۔ پس یہاں پر ایسی جنت اور دوزخ کا ذکر ہے جو دجال کے قبضہ قدرت میں ہوں گی۔

آج کے اس دور میں ہر فرد جانتا ہے کہ ان اقوام مغرب (پادریوں اور سائنسدانوں) نے ایک طرف اسباب تنعم و تعیش کی انتہاء کر کے جنت کا عملی نمونہ قائم کر لیا تو دوسری طرف ہلاکت کے بھی وہ سامان بنائے ہیں کہ دوزخ اسی دنیا میں تیار ہوگئی ہے۔ چنانچہ ایٹم بم وغیرہ ایجادات اسی دجالی دوزخ کے مظاہر ہیں۔

نمبر۴:۔ ایک علامت دجال کی یہ بیان کی گئی تھی کہ:۔

”وَیَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَیَقُوْلُ لَهَا اَخْرِجِیْ کُنُوْزَكِ فَتَتْبَعُهٗ کُنُوْزُهَا کَیَعَا سِیْبِ النَّحْلِ“ (مشکوٰہ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

یعنی دجال ویرانے پر سے گزرے گا اور اسے کہے گا اپنے خزانے اگل دے اس پر اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔

مولوی صاحب نے اس علامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

”ویرانے پر سے گزرے گا تو زمین کو حکم دے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے اگل دے چنانچہ خزانے نکل کر اس کے ہمراہ ہولیں گے۔“ (شناخت صفحہ ۱۸)

آج یہ علامت انہیں مغربی اقوام کا طرہ امتیاز ہے۔ یہ اقوام جن کی بائیں آنکھ تیز ہے یعنی دنیوی ترقیات میں آگے ہیں انہوں نے زمین کی تہوں سے وہ خزائن نکال لئے ہیں جن کا تصور بھی پہلے زمانہ میں سوائے قرآن مجید اور احادیث محمد مصطفیٰ ﷺ کے کہیں آپ کو نہ ملے گا اور پھر یہ اقوام ان خزائن کے خام اموال اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور مختلف اشیاء کی تیاری کے بعد مہنگے داموں غریب اقوام کو فروخت کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ علامت مکمل طور پر پوری

ہو چکی ہے۔

نمبر۵:۔ ایک علامت دجال کی یہ بیان کی گئی ہے:۔

”یَدْعُوْا رَجُلاً مُمْتَلِئًا شَبَاباً فَیَضْرِبُهٗ بِالسَّیْفِ فَیَقْطَعُهٗ جَزْلَتَیْنِ رَمْیَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ یَدْعُوْهُ فَیُقْبِلُ وَیَتَهَلَّلُ وَجْهُهٗ یَضْحَكُ “

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ وذکر الدجال الفصل الاول)

دجال ایک بھر پور خوبصورت نوجوان کو بلائے گا اور تلوار کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر کے تیر کے نشانے کے فاصلے پر پھینک دے گا۔ پھر اس ے بلائے گا۔ وہ نوجوان اس کی بات قبول کرتا ہوا آ جائے گا اور اس کا چہرہ چمک رہا ہوگا اور وہ ہنس رہا ہوگا۔

یہ علامت بھی جدید علم جراحی میں اب روزمرہ کا مشاہدہ ہو چکی ہے۔ ہسپتالوں میں ہر روز آپریشن کے ذریعہ مختلف اعضاء دل، گردے اور دیگر اعضاء کو کاٹ کر پھر جوڑ دیا جاتا ہے اور اس طرح ان دونوں ٹکڑوں کو جوڑنے کے بعد وہ مریض شفا پا کر خوش و خرم اپنے گھر آ جاتا ہے۔

نمبر۶:۔ آنحضرت ﷺ نے دجال کے خروج کے مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

”اَلَا اِنَّهٗ فِیْ بَحْرِ الشَّامِ اَوْ بَحْرِ الْیَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَاهُوَ وَاَوْمَأَ بِیَدِهٖ اِلَی الْمَشْرِقِ“ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

فرمایا سنو دجال شام کے دریا میں ہے یا یمن کے دریا میں ہے نہیں بلکہ وہ تو مشرق سے نکلے گا اور آپؐ نے اپنے دست مبارک سے مشرق کی طرف اشارہ بھی فرمایا۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مغربی اقوام کا خروج اور ان کی ترقی ہندوستان میں ہوئی اور ہندوستان عرب کے عین مشرق میں ہے۔ پس دجالی اقوام کے خروج کا مقام ہندوستان ٹھہرا۔ بلکہ ان دجالی اقوام کی کمپنی جو بالآخر ہندوستان میں ان کے غلبہ کا باعث بنی اس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی تھا۔ اس طرح یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔

نمبر۷:۔ آنحضرت ﷺ نے دجال کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ:۔

''اِنَّ مَعَهٗ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهْرَ مَاءٍ''

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدیالساعہ)

کہ دجال کے پاس روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی۔

یہ علامت بھی مغربی اقوام میں پوری ہوئی۔ ان پادریوں کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ہر قسم کا انسانی ضروریات کا سامان موجود ہے۔ لوگوں کو کھانے کی اشیاء اور مختلف قسم کی امدادیں دے کر انہیں اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہی وہ اقوام ہیں جن کا دنیا کی معیشت پر قبضہ ہے۔ پوری دنیا ان کی دست نگر بنی ہوئی ہے۔ انسانی بقاء کے لئے روٹی اور پانی یعنی غذا ضروری ہے۔ ان اقوام کے اختیار میں وہ تمام اسباب ظاہری موجود ہیں جو اقوام کی معیشت کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ آئے دن ان اقوام کی طرف سے دیگر اقوام خاص طور پر مسلمان ممالک میں جو ان کے مفادات سے ٹکراتے ہیں ان پر معاشی پابندیاں لگا دی جاتی ہیں یعنی ان کا روٹی پانی بند کر دیتے ہیں۔ اس کی تازہ مثال عراق پر اقتصادی پابندیوں کا لگایا جانا ہے۔ پس یہ علامت بھی نصف النہار کی طرح مغربی اقوام پر پوری ہو چکی ہے۔

ان اقوام کی اس قدرت کے سامنے مولوی صاحب کے مزعومہ دجال کے ظاہری روٹیوں کے پہاڑ کی کیا حیثیت ہے؟ پس اگر یہ اقوام دجال نہیں تو پھر یہ دجال سے بڑھ کر کوئی مخلوق ہے حالانکہ دجال کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ آنحضرت ﷺ نے قرار دیا ہے۔

نمبر۸:۔ آنحضرت ﷺ نے دجال کی ایک نشانی اس کی سرعت سیر بتائی تھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:۔

''قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَااِسْرَاعُهٗ فِی الْاَرْضِ قَالَ کَالْغَیْثِ اِسْتَدْبَرَتْهُ الرِّیْحُ ''(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

(نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ دجال کا ذکر فرما رہے تھے) ہم نے عرض کیا حضورؐ دجال کی زمین میں چلنے کی کیا کیفیت ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا اس بادل یا بارش

کی طرح جس کو پیچھے سے تیز ہوا دھکیل رہی ہو۔

اس جگہ آنحضرت ﷺ نے دجال کی سرعت سیر کا ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح تیز ہوا بادلوں کو دھکیلتی ہے اور پھر کوئی روک نہ ہونے کے سبب بادل خوب تیزی سے چلتے ہیں اسی طرح کا اس کا سفر ہوگا۔

آج مغربی اور دجالی اقوام نے جو سواریاں تیار کی ہیں وہ اپنی سرعت اور تیزی میں اس حدیث کے بیان کے عین مطابق ہیں۔ کاریں، بسیں، تیز رفتار ٹرینیں اور ہوائی جہاز وغیرہ سب کی موجودگی اس حدیث کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت اور دجال کے ظہور کا اعلان ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دجال سے متعلقہ جس قدر تفاصیل اور قرائن قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں وہ سب کے سب مغربی اقوام یعنی ان کے مذہبی اور دنیوی رہنماؤں پر پوری ہوتی ہیں۔ اس لئے درحقیقت یہی وہ دجال ہے جس کے ظہور کی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔

نمبر ۹:۔ لفظ ’’دجال‘‘ پر غور کرنے سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ’’دجال‘‘ کے معانی کے لحاظ سے اس کا اطلاق مغربی اقوام پر بالکل درست ہے۔ چنانچہ اس کے معانی لغت عرب میں درج ذیل ہیں۔

۱۔ ’’کذاب‘‘ یعنی سخت جھوٹ بولنے والا۔

۲۔ دجال کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ **لِاَنَّہٗ یَعُمُّ الْاَرْضَ کَمَا اَنَّ الْحِنَاءَ یَعُمُّ الْجَسَدَ**۔ کیونکہ دجال اس طرح زمین کو ڈھانپ لے گا جس طرح حناء یعنی مہندی جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔

۳۔ **دَجَلَ الرَّجُلُ اِذَا قَطَعَ نَوَاحِیَ الْاَرْضِ سَیْراً**۔

دجل الرجل کے الفاظ اس وقت استعمال ہوتے ہیں جب کسی نے تمام روئے زمین کو اپنی سیر و سیاحت سے قطع کر لیا ہو۔ یعنی دجال کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے بھی ہیں۔

۴۔ دجال ایسے گروہ کو کہتے ہیں کہ **اَلَّتِیْ تُغَطِّی الْاَرْضَ بِکَثْرَۃِ اَھْلِھَا** جو اپنے

افراد کی کثرت سے روئے زمین کو ڈھانک لے۔

۵۔ ایسا گروہ جو اموال تجارت اٹھائے پھرے چنانچہ لکھا ہے ''اَلَّتِیْ تَحْمِلُ مَتَاعَ التِّجَارَۃُ''

۶۔ دجال کے ایک معنی اَلْمُمَوِّہُ کے ہیں۔ یعنی دھوکے باز کے۔ جس طرح نقلی اشیاء پر سونے کا پانی چڑھانے والا لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ یہ تمام معانی لسان العرب میں زیر لفظ ''دجل'' درج ہیں۔

پس دجال سے مراد ایک ایسی جماعت اور گروہ ہوا کہ جو اپنے تجارتی اموال اٹھائے پھرے۔ تمام دنیا میں سیر وسیاحت کرے اور تعداد کے لحاظ سے یہ گروہ ایسا بڑا ہو کہ گویا پوری زمین پر چھا جائے اور مذہبی عقائد میں کذاب اور دھوکہ باز ہو۔

اب یہ تمام معانی مغربی مسیحی اقوام پر ہی پورے اترتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے اموال تجارت اٹھائے ہندوستان میں یہ لوگ داخل ہوئے اور فتح پر فتح حاصل کرتے ہوئے پوری معلومہ دنیا پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ ایسی سواریاں ایجاد کر ڈالیں کہ ہر گوشہ زمین کی سیر کر ڈالی مگر باوجود ان تمام باتوں کے مذہباً کذاب ہی رہے۔ ایسے عقائد پر قائم رہے کہ جو عام عقل کے آدمی کی سمجھ کے مطابق بھی غلط ہے۔

پس یہی مغربی اقوام جو مذہباً عیسائیت پر قائم ہیں دجال کے تمام معانی پر سو فیصد پوری اترتی ہیں۔

ان تمام تفصیلات سے یہ امور کھل کر سامنے آجاتے ہیں کہ دجال کی تمام تر علامات ان مغربی اقوام میں پائی جاتی ہیں۔ پس جب تمام علامات ان پر پوری ہوئیں تو یہی اقوام دجال کہلائیں۔

اور یہ باتیں نہ صرف جماعت احمدیہ بلکہ وہ تمام لوگ جو کہ غور وفکر کرتے ہیں وہ اگرچہ قطعی سو فی صد صحیح نتیجہ پر نہ بھی پہنچیں اس کے قریب قریب ضرور پہنچ جاتے ہیں چنانچہ قاری محمد طیب صاحب دیو بندی جو دار العلوم دیو بند کے مہتمم بھی رہے مولانا قاسم نانوتوی صاحب بانی

دیوبند کے پوتے تھے۔ آپ کے درج ذیل بیانات قابل غور ہیں۔

۱۔ دجال کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

’’شریعت اسلامیہ نے دنیا کے آخری دور میں جب کھصورت پسند امت مسیحیہ کے غلبہ وشیوع اور گویا ان کے تصویری تمدن کے پھیل جانے کی خبر دی ہے تو اس کی انتہاء پر ایک مسیح ضلالت کے خروج کی بھی اطلاع دی ہے۔ جو درحقیقت ان تصویری تلبیسات کا نتیجہ اور نچوڑ ہوگا۔ جس کو دجال اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے اور اس کے تلبیسی فتنوں سے امت کو ڈرایا ہے۔‘‘ (مولانا قاری محمد طیب صاحب۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام۔ مئی ۱۹۸۶ء ایڈیشن اوّل نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔ احمد برادرز پرنٹر کراچی صفحہ ۲۲۳)

اس بیان میں طیب صاحب نے امت مسیحیہ کے آخری زمانہ میں غلبہ وشیوع اور ان کی انتہائی ترقی اور ان کی تلبیسات کے نتیجہ اور نچوڑ کو ہی مسیح دجال قرار دیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مسیح دجال ان اقوام مسیحیہ سے باہر نہیں ہے بلکہ انہی اقوام کی ترقی کا انتہائی قدم مسیح دجال ہے۔

۲۔ پھر قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:۔

’’اسلام کے حق میں اگر کوئی من حیث القوم مار آستین کہلائی جانے کی مستحق ہے تو وہ یہی مسیحی امت ہے اور اسلام اور عالم اسلام کو جس قدر صدمات قدرتی طور پر اس سے پہنچ سکتے ہیں اور پہنچے وہ دنیا کی کسی دوسری قوم سے نہیں پہنچ سکتے اور اس بناء پر آئندہ خطرات سے بھی جو اس قوم سے ہو سکتے ہیں وہ دوسروں سے نہیں ہیں۔ یہ دعویٰ کوئی تخمینی یا وجدانی یا محض تجرباتی ہی نہیں بلکہ ایک شرعی دعویٰ ہے جس کی تائید میں کتاب وسنت کمربستہ ہیں اور اسی لئے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔‘‘

(مولانا قاری محمد طیب صاحب۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام۔ مئی ۱۹۸۶ء ایڈیشن اوّل نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔ احمد برادرز پرنٹر کراچی صفحہ ۱۷۰)

قاری صاحب نے اپنے اس بیان میں امت محمدیہ کے لئے خطرناک ترین قوم مسیحی امت کو قرار دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے خطرناک ترین فتنہ دجال کو قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ) پس امت مسیحیہ ہی دجال ہے کیونکہ اسی

امت سے قدرتی طور پر امت محمدیہ کو جو صدمات پہنچ سکتے ہیں اور کسی قوم سے نہیں پہنچ سکتے۔

۳۔ پھر قاری محمد طیب صاحب مسیحی امت کے دجل اور تلبیسانہ کاموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”اصولی طور پر آج اس قوم کا سب سے بڑا ہنر ہی حقیقت کو غیر حقیقت دکھلانا ہے۔ جھوٹ کو سچ کر دینا اور تاریکی کو روشنی سمجھا دینا قرار پا گیا اور آج اس کی سب سے بڑی دانش ہی ڈپلومیسی، مکاری، دھوکہ، فریب اور چالبازی رہ گئی ہے اور بس“

(مولانا قاری محمد طیب صاحب۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام۔ مئی ۱۹۸۶ء ایڈیشن اوّل نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔ احمد برادرز پرنٹر کراچی صفحہ ۱۶۸)

یہاں پر قاری صاحب نے آج کی امت مسیحیہ کے تلبیسانہ کاموں کا خلاصۃً ذکر کر کے اس کا سب سے بڑا ہنر جھوٹ اور تلبیس قرار دیا ہے اور دجال کے یہی معنی ہیں کہ وہ کذاب اور تلبیسانہ کارروائیاں کرنے والا ہو۔ اس لحاظ سے بھی یہی اقوام دجال قرار پاتی ہیں۔

غرض قرآن مجید، حدیث کی تصریحات اور علامات دجال کا مغربی عیسائی اقوام میں پورا ہو جانا اس بات کی قطعیت کے لئے کافی ہے کہ جس دجال معہود کی پیشگوئی کی گئی تھی وہ یہی عیسائی مغربی اقوام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر غور کرتے ہیں وہ اتنا ماننے پر ضرور مجبور ہو جاتے ہیں کہ دجال کے متعلقہ بیان کردہ علامات ان دجالی اقوام یورپ میں پوری ہو چکی ہیں جیسا کہ بانی دیوبند کے پوتے قاری محمد طیب صاحب نے صراحت کی ہے۔

”مولوی صاحب کی مشکل“

مگر مولوی صاحب کو اس حقیقت کے ماننے میں جو قرآن و حدیث اور واقعات سے ظاہر ہو چکی ہے ایک روک یہ ہے کہ:۔

”اگر یہی (عیسائی، پادری وغیرہ۔ ناقل) دجال ہوتے تو آنحضرت ﷺ اپنے زمانے میں ہی فرما دیتے کہ یہ دجال ہیں“ (شناخت صفحہ ۲۰)

مگر یہ وسوسہ محض فرضی اور حقیقت حال پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ یہ سوال ہی پیدا

نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ:۔

اوّل تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان اقوام میں دجالی صفات پیدا نہ ہوئی تھیں جو فتنہ عظیمہ انہوں نے پیدا کرنا تھا وہ اس وقت بیج کی حیثیت رکھتا تھا۔ پس اس بیج کو درخت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کی مثال انگور کے رس کی ہے کہ اپنی ابتدائی حالت میں بھی اگرچہ اس میں سکر اور شراب کے بنیادی اجزاء موجود ہوتے مگر اس حالت میں اسے شراب نہ کہنا بالکل درست ہے۔ شراب اس وقت کہلائے گی جب کہ سکر اور نشہ اس پر غالب آچکا ہو۔

بالکل اسی طرح عیسائیت کا وہ دور اس فتنہ کی ابتداء کا دور تھا جب کہ دجالیت اس فتنہ کے انتہائی مقام کا نام ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ پر غور کیا جائے تو آپؐ نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ عسائیت ہی ایک زمانہ میں جا کر دجالیت بن جائے گی۔ چنانچہ:۔

(i) تمیم داری کی بیان کردہ حدیث میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دجال گرجا گھر میں بندھا ہوا تھا اور اسے آئندہ زمانے میں کھولا جانا تھا۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ)

پس آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دجال گرجا گھر تک محدود تھا مگر آخری زمانہ میں اس نے ساری دنیا میں فساد برپا کرنا تھا۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں قوت دجالیت مکمن حالت اور آخری زمانہ میں اسی مکمن قوت نے حیز فعل میں آجانا تھا اور اسی مقام عروج کو دجالیت قرار دیا گیا ہے۔

(ii) پھر آنحضرت ﷺ نے سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات کی طرف توجہ دلا کر بھی بتا دیا تھا کہ دجال سے مراد درحقیقت انہیں اقوام کا آئندہ زمانہ میں پیدا ہونے والا فتنہ ہے۔

(iii) پھر ایک طرف مسیح موعود کا اہم ترین کام قتل دجال اور دوسری طرف کسر صلیب قرار دے کر بتا دیا کہ دجال وہی ہے جو صلیب کا پجاری ہے۔

یہ باتیں تفصیل کے ساتھ پہلے عرض کی جا چکی ہیں۔ دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مقصد صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضاحت کے ساتھ یہ بیان فرما دیا تھا کہ عیسائیت کا فتنہ ہی آئندہ زمانہ میں فتنہ دجالیت کا روپ دھار لے گا۔ آپؐ کے زمانہ میں اگرچہ فتنہ موجود تھا مگر اپنے بعد کے فتنہ کی نسبت سے ایک بے جان فتنہ تھا۔

الغرض آنحضرت ﷺ نے ہر عاقل کو یہ بتا دیا تھا کہ فتنہ دجالیت کون سا فتنہ ہے مگر اس کے لئے عقل سلیم اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

قتل دجال

آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود علیہ السلام کے کارناموں کے ذکر میں ہلاکت و قتل دجال کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کے ذریعہ دجال خود بخود ہلاک ہو جائے گا۔

’’وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ‘‘

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ الدجال الفصل الاول)

فرمایا کہ تب دجال خود بخود ہلاک ہو جائے گا۔

دجال کس طرح ہلاک و قتل ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

’’یَنْزِلُ عِیْسیٰ ابْنُ مَرْیَمَ فَاَمَّھُمْ فَاِذَا رَاٰہُ عَدُوُّ اللّٰہِ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَآءِ فَلَوْ تَرَکَہٗ لَانْذَابَ حَتّٰی یَھْلِکَ وَلٰکِنْ یَقْتُلُہُ اللّٰہُ بِیَدِہٖ فَیُرِیْھِمْ دَمَہٗ فِیْ حَرْبَتِہٖ ‘‘(مسلم کتاب الفتن باب فی فتح قسطنطنیہ)

یعنی ابن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت کریں گے جب آپ کو اللہ تعالیٰ کا دشمن دیکھے گا تو اس طرح کود بخود گھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر مسیح موعود دجال کو چھوڑ بھی دیں گے اور کچھ نہ بھی کہیں گے تو بھی وہ خود بخود گھل جائے گا یہاں تک کہ خود ہی ہلاک ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ مسیح کے ہاتھوں کرے گا اور ان کو مسیح کے حربہ میں اس دجال کی ہلاکت کا خون دکھائے گا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ وضاحت فرما دی ہے کہ دجال کے قتل کے

لئے مسیح موعود کو کسی ظاہری جنگ اور جہاد بالسیف کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ دجال خود بخود ختم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرما دی کہ مسیح موعود علیہ السلام دجال کے خاتمہ کے لئے کچھ نہ بھی کرے تو بھی دجال کا خاتمہ یقینی ہے کیونکہ اس کی ہلاکت یقینی ہے کیونکہ اس کی ہلاکت کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ چکا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے تصرف خاص کے تحت دجال کے اس خاتمہ میں مسیح موعود کا ہاتھ کارفرما ہوگا اور یہ اس حد تک کارفرما ہوگا کہ لوگوں کو نظر آ جائے گا کہ مسیح موعود نے جو حربہ استعمال کیا ہے وہی اس دجال کے خاتمہ کا موجب ہوا ہے۔

ان دونوں احادیث میں دجال کے لئے ''یَھْلِکَ'' کو دبخود ہلاک ہونے کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اور ساتھ یہ وضاحت فرما دی گئی ہے کہ یہ ہلاکت اس جیسی نہ ہوگی جیسی کہ قتل وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے بلکہ یہ ایسی ہلاکت ہوگی جو آہستہ آہستہ پانی کے اندر نمک کے گھل جانے کی طرح ہوگی۔ ایسی ہلاکت علمی دنیا میں مذہبی دنیا میں دلائل کے میدان میں ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی ہلاکت کو حقیقی ہلاکت قرار دیا ہے کیونکہ نظریہ کی ہلاکت ایک دیرپا ہلاکت ہوتی ہے ورنہ محض جسمانی ہلاکت نظریاتی ہلاکت کے آگے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

''لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیٰ مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ'' (الانفال ۴۳)

تا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو دلیل کے ذریعہ ہلاک ہو چکا ہے اور زندہ ہو جائے وہ شخص جو دلیل کی رو سے زندہ ہو چکا ہے۔ یہ عجیب توارد بھی ہے کہ قرآن مجید نے بھی ''یَھْلِکَ'' کے الفاظ حقیقی ہلاکت کے لئے استعمال کئے ہیں اور دجال کے لئے بھی ''یَھْلِکَ'' کے الفاظ ہی حدیث میں استعمال کئے گئے ہیں۔

غرض ان احادیث اور قرآن مجید کی تعلیمات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دجال کی ہلاکت سے مراد دلائل کے میدان میں اس کی ہلاکت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک اور موقع پر دجال کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''فَیَطْلُبُهٗ حَتّٰی یُدْرِکَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَیَقْتُلُهٗ''

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ وذکر الدجال الفصل الاول)

یعنی مسیح موعود دجال کی تلاش کرے گا اور اسے باب لد پر پائے گا اور اسے قتل کر ڈالے گا۔

علماء ظواہر نے ظاہری طور پر مقام ’’لد‘‘ تلاش کرنا شروع کر دیا اور کسی نے کہیں اور کسی نے کہیں تلاش کیا۔ حالانکہ دیگر احادیث اور قرآن مجید کی تصریحات سے واضح ہے کہ مسیح موعود نہ تو ظاہری جنگ دجال کے ساتھ کرے گا اور نہ ہی ظاہری قتل ہوگا بلکہ وہ خود بخود ہلاک ہو جائے گا۔

ورنہ ان احادیث میں اخلاف ماننا پڑے گا کہ ایک طرف آنحضرت ﷺ نے فرما دیا کہ دجال خود بخود ہلاک ہو جائے گا اور نمک کی طرح پانی میں گھل جانا اس کا مقدر ہے اور دوسری طرف یہ بیان ہوا کہ مسیح موعود اس کو قتل کرے گا۔ پس آنحضرت ﷺ کے کلام کے وہی معنی صحیح ہو سکتے ہیں کہ جو ہر جگہ چسپاں ہو سکتے ہوں۔ اس لحاظ سے اس حدیث مبارکہ میں بھی دراصل آنحضرت ﷺ وہی مضمون بیان فرما رہے ہیں جو کہ پہلی احادیث میں بیان ہوا ہے۔ صرف غور نہ کرنے کے نتیجہ میں یا پھر ظاہر پر زور دینے کی وجہ سے اس طرف توجہ علماء کی نہ ہو سکی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مسیح موعود دجال کو ’باب لدٗ] پر پائے گا۔ ’’باب‘‘ دروازہ کو کہتے ہیں۔ اور ’’لد‘‘ کے معنی عربی میں یہ لکھے ہیں: ۔

’’اَلْاَلَدُّم لَدًّا ءِ ج لِدَاءَ وَلُدَّ: اَلْخَصْمُ الشَّدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ‘‘ (المنجد۔ زیر لفظ لد)

یعنی ’’الد‘‘ کا مصدر ’’لداء‘‘ ہے۔ اس کی جمع ’’لداء‘‘ اور ’’لد‘‘ دونوں آتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سخت جھگڑا اور بحث کرنے والے لوگ۔ ان معنوں کے لحاظ سے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا اور یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کے عین مطابق ہیں۔

آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ مسیح موعود دجال کو دلائل اور خصومت اور جھگڑے کے دروازے پر پائے گا یعنی وہ دیکھے گا کہ دجال تلوار یا جبر کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ نہیں کر رہا بلکہ دلائل کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اس لئے مسیح موعود اس کے لئے یہی طریق اختیار کرے

گا کیونکہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ **قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم** (البقرہ ۱۹۱) تم اللہ کے راستہ میں ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں۔ اس سے یہ مفہوم واضح ہے کہ جو قتال کا راستہ اختیار نہ کرے اس کے ساتھ قتال کا راستہ اختیار کرنا حکم قرآنی کی خلاف ورزی ہوگا۔

پس جب دلائل اور خصومت کا راستہ اختیار کرے گا اور اس دروازے سے داخل ہو کر تباہی پھیلائے گا اس کا قتل بھی دلائل کے ذریعہ ہی ہوگا نہ کہ تلوار کے ذریعہ۔

پھر یہ تو واضح ہے کہ مسیح موعود کا کام دجال کا مقابلہ کرنا ہے اور یہ مقابلہ کس طرح ہوگا۔ تلوار سے یا دلائل سے؟ آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں کہ:۔

’’**اِنْ یَّخْرُجْ وَاَنَا فِیْکُمْ فَاَنَا حَجِیْجُهٗ دُوْنَکُمْ وَاِنْ یَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِیْکُمْ فَامْرُءٌ حَجِیْجُ نَفْسِهٖ**‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ وذکر الدجال الفصل الاول)

اس کا ترجمہ مشکوٰۃ مترجم بمعہ حواشی مفیدہ مظاہر حق میں یہ لکھا ہے:۔

’’اگر نکلے دجال اور میں ہوں موجود تم میں یعنی بالفرض والتقدیر۔ پس میں جھگڑوں گا اس سے سامنے تمہارے یعنی غالب آؤں گا اس پر ساتھ دلیل کے۔ اور اگر نکلا اور نہ ہوا میں تم میں پس ہر شخص حجت کرنے والا ذات اپنی کا ہوگا۔ (مظاہر الحق مشکوٰۃ مترجم۔ عالمگیر پریس لاہور جلد نمبر ۴ صفحہ ۳۴۸ کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعہ وذکر الدجال الفصل الاول)

اس بیان میں رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر یہ بیان فرما دیا ہے کہ دجال معہود جب بھی خروج کرے گا اس کا مقابلہ تلوار سے نہ ہوگا بلکہ دلائل کے میدان میں ہوگا اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اگر دجال میرے سامنے ظاہر ہوا تو میں بھی دلائل سے مقابلہ کروں گا اور اگر میرے بعد ظاہر ہو تو تم میں سے ہر ایک دلیل کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرے۔

پس آج کون ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور آپؐ کی وصیت کو ترک کر کے کوئی اور طرز مقابلہ اختیار کرے اور پھر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت بھی دے۔

پس یہ ہے وہ قتل دجال جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اس لحاظ سے

حضرت مرزا صاحب نے دجال کا وہ قتل کیا ہے کہ اس کا اقرار اپنوں نے بھی کیا ہے اور غیروں نے بھی کیا ہے۔ مگر مولوی صاحب لکھتے ہیں:۔

"عقل وانصاف سے فرمایا جائے کہ کیا مرزا صاحب کی مسیحیت سے پادری ہلاک ہو چکے ہیں اور اب دنیا میں کہیں عیسائی پادریوں کا وجود نہیں؟" (شناخت صفحہ ۲۰)

ہم مولوی صاحب کے سامنے اس موقع پر صرف ان لوگوں کی آراء رکھنا چاہتے ہیں کہ جو حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہیں رکھتے مگر کچھ نہ کچھ بصیرت ضرور رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ہی کے بزرگ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کا جو ترجمہ شائع ہوا ہے اس کا دیباچہ مولوی نور محمد صاحب نقشبندی نے درج فرمایا ہے۔ اس میں وہ رقمطراز ہیں:۔

"اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنالوں گا۔ ولایت سے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرت واحکام پر جو اس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام وسیرت رسولؐ اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت اس کا ایمان یکساں تھا۔ پس الزامی ونقلی وعقلی جوابوں سے ہار گیا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھے قبول کرلو۔ اس ترکیب سے اس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھوڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کہ پادریوں کو شکست دے دی۔"

(مولوی نور محمد۔ دیباچہ معجز نما عکسی قرآن مجید۔ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۳۰)

مولوی صاحب یہ ہے صداقت کہ اختلاف اور مخالفت کے باوجود حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ یہ آپ کے مسلمہ ترجمہ قرآن مجید کا دیباچہ ہے۔ شائع کرنے والے بھی دیوبندی ہیں۔ ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے تمام پادریوں کی شکست کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا کے پادریوں کی شکست کیونکہ اس زمانہ میں ولایت ہی عیسائیت کی تبلیغ اور تبلیغی مساعی کا مرکز تھا۔ ہر قسم کی امداد وہیں سے ملا کرتی تھی۔ پس جب مرکز کے تمام پادریوں کو شکست ہوگئی تو تمام دنیا کے پادری کہ جو اسی مرکز کے اعضاء جوارح ہیں خود بخود دلیل کے میدان میں شکست خوردہ ہوگئے اور یہی وہ قتل ہے جو مسیح موعود کا کام تھا اور جو حضرت مرزا صاحب کر چکے ہیں۔

مرزا حیرت دہلوی نے لکھا:۔

’’ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریا اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا‘‘

(مرزا حیرت۔ اخبار کرزن گزٹ دہلی یکم جون ۱۹۰۸ء جلد ۱۵ صفحہ ۸ کالم نمبر ۲)

مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:۔

’’مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات ست شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو، ان کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس کے احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے...... میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر اور عظمت آج جب کہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہرگز لوح

وقلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہوسکی جب کہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کرسکتے تھے۔ قریب تھا خوفناک مذہبی جذبے کا ان حضرات کے میراثی عارضہ قلب کا جو اسلام کی خود رو سرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا آتا تھا درمان ہوجائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس سے زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون ہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے گا قائم رہے گا۔‘‘ (اخبار وکیل امرتسر۔ ۱۹۰۸ء)

یہ ان لوگوں کے بیانات ہیں جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ان کے کام کو دیکھا۔ اگرچہ ماننے کی توفیق نہ ملی اور مخالفین کے زمرہ میں رہے مگر حق وصداقت کے اور نے سچ اگلنے پر مجبور کر دیا اور یہ علی الاعلان شائع ہونے والے بیانات اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت اور عیسائی پادریوں کو وہ شکست فاش دی کہ ’’باب لد‘‘ یعنی دلائل کے میدان میں انہیں قتل کر ڈالا۔

اہل عقل و فراست لوگ جانتے ہیں۔ صاحب عزت اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دلائل کے میدان میں ناکامی اس قتل سے بھی زیادہ بڑا قتل اور زیادہ بڑی ہلاکت ہے جو ایک ہی دفعہ کسی انسان پر وارد ہوجائے کیونکہ ظاہراً مرنے والا تو ایک بار مرجاتا ہے مگر ایسے شخص کو ہر روز کئی بار کئی

قسم کے لوگوں کے سامنے مرنا پڑتا ہے اور یہی طرز عمل حضرت مرزا صاحب نے عیسائی منادوں اور پادریوں کے ساتھ اختیار فرمایا اور اسی امر کی وضاحت مندرجہ بالا حوالہ جات کر رہے ہیں۔

نمبر۱۳: امن و آشتی

مولوی صاحب نے رسالہ کے صفحہ ۲۰ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کا عام نقشہ کے زیر عنوان ایک حدیث مبارکہ کا ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کتاب حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۹۲ سے نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے ”کیا مرزا صاحب کے زمانے کا یہی نقشہ ہے“ (صفحہ ۲۱)

اس کا جواب تو صرف اس قدر کافی ہے کہ ہمارے نزدیک اور ہر عاقل انسان کے نزدیک آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کے زمانے کا جو نقشہ بیان فرمایا ہے وہ بالکل وہی نقشہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں تھا۔

پھر مولوی صاحب نے اس میں خلاصۃً دو باتوں کو جو زمانے کے نقشہ کے متعلق ہیں خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ان کے نزدیک پوری نہیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک بات انہوں نے یہ درج کی ہے کہ:۔

”آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ لڑائی بند ہو جائے گی مگر اخباری رپورٹ کے مطابق اس صدی میں صرف ۲۴ دن ایسے گزرے ہیں جب زمیں انسانی خون سے لالہ زار نہیں ہوئی۔“ (شناخت صفحہ ۲۱)

یہ اعتراض درحقیقت اس اعتراض کا اعادہ ہے کہ جو مولوی صاحب نے لڑائی موقوف جزیہ بند کے زیر عنوان کیا ہے۔ اس کے اس جواب کے لئے اس اعتراض کے جواب کو ملاحظہ فرمائیں تاہم مزید چند گزارشات یہ ہیں:۔

قرآن مجید اور حدیث کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ مسیح موعود کے لڑائی بند کرنے اور جزیہ موقوف کرنے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس دور میں جہاد بالسیف کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے جہاد بالسیف نہ ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کے الفاظ یہ ہیں کہ ”**یضع الحرب**“ کہ مسیح موعود جزیہ موقوف

کرے گا۔

یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کی علامات میں فرمایا کہ وہ جزیہ ختم کردے گا اور جزیہ وہ ٹیکس ہے جو شریعت اسلامیہ نے شرعی جہاد کے نتیجہ میں تلوار کے ذریعہ ہونے والے مفتوح غیر مسلم لوگوں پر عائد کیا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں شرعی طور پر جزیہ عائد کرنے کی شرائط اور حالات نہ ہوں گے کیونکہ اگر شرعی طور پر جزیہ لینے کے حالات ہوں گے تو مسیح موعود حکم قرآنی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جزیہ کو کیسے ختم کرسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دوسری جگہ ’’ویضع الحرب‘‘ کے الفاظ استعمال فرما کر وضاحت فرمادی کہ جزیہ عائد نہ ہونے کیوجہ یہ ہوگی کہ الحرب یعنی شرعی جہاد اور اسلامی جہاد کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کے زمانے میں شرعی طور پر جہاد موقف ہوجائے گا۔ پس ان احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ مسیح موعود جو کہ امت کا رہنما ہوگا اس کے دور میں شرعی جہاد نہ ہوگا۔ اسلامی جنگ نہ ہوگی۔ اس میں کہاں لکھا ہے کہ کسی قسم کی جنگ نہ ہوگی؟ جب کہ مولوی صاحب نے جو اعتراض اٹھایا ہے اس کی بنیاد ہی اس امر پر ہے کہ گویا ہر ایک قسم کی جنگ اور لڑائی ختم ہوجائے گی۔

اس میں مسیح موعود کے زمانہ میں ہر ایک قسم کی جنگ کے خاتمہ کا اعلان کیا گیا بلکہ مسیح موعود نے چونکہ امامکم منکم کے مطابق امت محمدیہ میں سے ہونا تھا اور مسلمانوں کا مذہبی امام ورہنما ہونا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے بتا دیا کہ اس زمانہ مین شرعی جنگ یا جہاد طالسیف نہ ہوگا۔ اس کی شرائط پوری نہ ہوں گی۔ اس وجہ سے جزیہ کا سوال ہی ختم ہوجائے گا۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں یہ شرائط جہاد پوری نہ ہوئیں اور حضرت مرزا صاحب اور دیگر روشن خیال علماء نے جہاد بالسیف کی ممانعت کا فتوی دیا ان میں شیعہ، اہل حدیث، اہل سنت والجماعت، انجمن حمایت اسلام، سرسید احمد خان وغیرہ جیسے فرقے اور لوگ شامل ہیں۔

اس معاملہ کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شرعی جہاد بالسیف

کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْر** (الحج: ۴۰) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ انہیں غالب فرماتا ہے۔ مگر انگریزی دور میں جہاں جہاں مسلمانوں نے حکومت کے خلاف قدم اٹھایا اور جنگ کا راستہ اختیار وہیں وہیں مغلوب ہوئے اور ناکام ہوئے اور سوائے نقصان اور حسرت و یاس کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس سلوک نے یہ ظاہر فرما دیا کہ یہ جہاد شرعی نہ تھا۔ چنانچہ مولوی سید ابوالحسن صاحب ندوی لکھتے ہیں:۔

”مسلمانوں پر عام طور پر یاس و ناامیدی اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جد و جہد کے انجام اور مختلف دینی اور عسکری تحریکوں کی ناکامی کو دیکھ کر معتدل اور معمولی ذرائع اور طریقہ کار سے انقلاب حال اور اصلاح سے لوگ مایوس ہو چکے تھے“ (سید ابوالحسن علی ندوی۔ قادیانیت صفحہ ۱۶، ۱۷)

پس مسلمانوں کے اس دور میں دینی و عسکری جنگوں کے ناکام ہونے کی وجہ یہی تھی کہ یہ موقع جہاد بالسیف کا نہ تھا اور حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو نصیحتاً فرمایا تھا:۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال　　دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام تھا　　دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے　　اب جنگ اور جہاد کا فتوی فضول ہے
فرما چکا ہے سید الکونین مصطفیٰ　　عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا　　وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا
اک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے　　کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۷۷، ۷۸)

پس مسیح موعود کی علامات میں **یضع الحرب** کی پیشگوئی کا مقصد یہ تھا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد بالسیف مسلمانوں پر بوجہ عدم شرائطِ جہاد واجب نہ ہوگا اور یہ علامت پوری ہو چکی ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ساری دنیا سے ہر ایک قسم کی جنگیں ختم ہو جائیں گی

قطعاً غلط استدلال ہے جو خلاف منشا حدیث ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے **یضع الحرب** میں **الحرب** فرما کر خاص قسم کی جنگ یعنی شرعی جنگ یا جہاد کے ختم ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور **یضع الجزیه** کے ساتھ مزید وضاحت فرما دی کہ یہاں پر ایسی جنگ کے خاتمہ کا اعلان ہے جس کے نتیجہ میں جزیہ عائد ہوتا ہے اور جزیہ شرعی جہاد بالسیف کے نتیجہ میں مغلوب ہونے والی قوم پر عائد کیا جاتا ہے۔ پس ان دونوں قسم کے احکامات نے مل کر واضح فرما دیا کہ مسیح موعود کا دور جہاد بالسیف کا دور نہ ہوگا۔ اس وجہ سے جزیہ کے عائد کرنے کا موقع ہی نہ ہوگا۔ پھر قرآن مجید واضح طور پر یہ اعلان فرماتا ہے کہ لوگوں کے اندر اختلافات اور لڑائیاں جھگڑے قیامت تک جاری رہیں گے۔ یہ تصور کہ کبھی کوئی ایسا دور بھی آ سکتا ہے کہ جب دنیا سے ہر قسم کی جنگیں اور لڑائیاں مکمل طور پر ختم ہو جائیں گی اور تمام لوگ مومن بن جائیں گے خلاف قرآن ہونے کے سبب باطل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

’’وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ‘‘ (ھود:۱۱۹)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا مگر یہ لوگ ہمیشہ اختلافات کا شکار رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ رحم کرے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا تو رحم کے لئے ہی کیا تھا (مگر یہ لوگ اختلافات میں پڑ گئے) اس لئے اب تیرے رب کا یہ کلام پورا ہوگا کہ میں جنوں اور انسانوں سے جہنم بھر دوں گا۔

اس سے واضح ہے کہ اختلافات اور اس کے نتیجہ میں لرائیاں جارہ رہیں گی۔ اس کے نتیجہ کے طور پر اکثریت جہنم میں جائے گی۔

جہاں تک دنیا میں شرعی جہاد بالسیف کے علاوہ دیگر اقسام کی جنگوں کے ختم نہ ہونے کا ذکر ہے تو اس کے متعلق واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء بطور معالج تشریف لاتے ہیں اور ان کے پاس تمام بیماریوں کے علاج ضرور ہوتے ہیں۔ مگر مریض دوا استعمال کرنے کی بجائے

معالج کے خون کا پیاسا ہو جائے تو اس کو یقیناً آرام نہیں آئے گا اور اس میں قصور مریض کا ہے نہ کہ معالج کا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب اس کے مامورین کی تکذیب کی جاتی ہے تو اس کو غیرت آتی ہے اور وہ بھی اپنے مامور کی تائید کے لئے لوگوں پر عذاب مسلط فرماتا ہے۔ فرمایا

مَا کُنَّا مَعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:۱۶)

مولوی صاحب جب لوگوں نے اس نجات دہندہ کی بات پر کان نہ دھرا تو اس کی سزا تو ملنا تھی اور اس کی پیشگوئی خود مرزا نے اللہ تعالیٰ سے خبر پانے کے بعد کر دی تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر اطلاع دی کہ سخت تباہی آنے والی ہے۔

پھر آپؑ کو مزید الہام ہوئے:۔

”کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں“

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ مؤرخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲)

اور آپؑ نے اس جنگ کا نقشہ اپنے منظوم کلام میں اس طرح پیش فرمایا:۔

اک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر و مرغزار
آئے گا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ ہو گا تا باندھے ازار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حال زار
اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربانی نشان
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
وحی حق کی بات ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۵۱)

اس کے عین مطابق عالمی جنگ اول و دوم ہوئی اور اگر اب بھی اس دنیا کے لوگوں نے

اس منجی کو نہ مانا یا کم از کم تکذیب اور استہزاء رسانی سے باز نہ آئے تو کوئی بعید نہیں کہ تیسری جنگ بھی مسلط ہو جائے۔

مولوی صاحب جس قدر تکذیب اور استہزاء اور ایذاء رسانی آپ لوگوں نے مسیح کی کی ہے اس کی مثال کہیں دنیا میں نہیں ملتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اسی قدر سزاؤں کا وارد ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لئے اس صدی کے اکثر حصے میں لڑائیوں کے ہونے اور خون بہنے پر افسوس تو ہے مگر آپ کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آخر یہ عذاب اسی صدی میں کیوں نازل ہوئے؟ اس کے لئے قرآن آپ کی رہنمائی کرتا ہے کہ جب تک مامور من اللہ نہ آئے اس وقت تک اللہ تعالیٰ عالمگیر عذاب نہیں بھجواتا۔ (بنی اسرائیل صفحہ ۲۱)

پھر مولوی صاحب نے دوسری بات یہ درج کی ہے کہ:۔

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں امن و آشتی کا یہ حال ہوگا کہ دو آدمیوں کے درمیان بھی عداوت نہ ہوگی۔ (شناخت صفحہ ۲۱)

مولوی صاحب کے نزدیک شیر، اونٹ، چیتے و گائے، بیل اور بھیڑوں کا بکریوں کے ساتھ چرتے پھرنے اور بچوں کے سانپوں کے ساتھ کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان بھی عداوت نہیں نہ ہوگی۔

مولوی صاحب نے یہاں پر یہ قبول کر لیا کہ اس حدیث مبارکہ کا انداز بیان ہی ایسا ہے کہ اسے ایک محاورہ قرار دیا جا سکتا ہے اور شیر و اونٹ، چیتے و گائے اور بھیڑیئے اور بکریوں کے اکٹھے چرنے سے مراد ظاہری طور پر ان دشمن جانوروں کا اپنے شکاروں کے ساتھ چرنا نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں اس زمانہ کے معاشرہ کا نقشہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے درمیان عداوت نہ رہے گی۔ بہرحال یہ بھی غنیمت ہے کہ ظاہر پرست مولوی صاحب نے اس قدر تو مان لیا کہ یہ حدیث ظاہراً پوری نہ ہوگی بلکہ تمثیلی کلام ہے جس کی تشریح کی جانی ضروری ہے۔

مولوی صاحب نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ خیال کہ کسی زمانہ میں لوگوں میں سے ہر ایک

قسم کی عداوت ختم ہو جائے گی بالکل غلط اور خلاف قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے درمیان قیامت تک عداوت اور دشمنی کے پائے جانے کا اعلان فرماتا ہے۔ فرمایا:۔

”فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ“ (المائدہ:۱۵)

پھر فرمایا:۔

”اَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃ“ (المائدہ:۶۵)

یعنی ہم نے یہود و نصاریٰ کے درمیان قیامت کے دن تک دشمنی اور بغض پیدا کر دیا ہے۔

پس وہ تشریح جو خلاف قرآن ہو درست نہیں ہو سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام خود وضاحت فرما رہا ہے کہ یہ ایک تمثیلی کلام ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب نے بھی اسے تمثیلی کلام ہی مانا ہے۔ مگر جو مراد مولوی صاحب نے اس سے لی ہے اور جو نتیجہ نکالا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اگر غور کریں تو اس کی صحیح حقیقت کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

شیر اور چیتے اور بھیڑیئے خونخوار جانور ہیں۔ یہ شکاری جانور ہیں۔ ان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ یہ جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔

گائے، بیل، اونٹ اور بھیڑ بکریاں سبزی خور جانور ہیں جو خونخوار جانوروں اور درندوں کا شکار بنتے ہیں۔

درندے اپنی فطرت پر مجبور ہیں اور سبزی خور اپنی فطرت کے پابند ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی زمانہ میں گوشت خور جانور سبزی خور بن جائیں۔ اگر ان درندوں اور جانوروں کو کھلے عام چھوڑا جائے تو یہ اپنی فطرت کے مطابق ہی کام کریں گے۔ مگر ان جانوروں کو سدھا لیا جائے اور انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ اگر انہوں نے فلاں جانور یا فلاں چیز کو اپنا شکار بنایا تو انہیں سزا ملے گی تو یہ احساس انہیں حملہ کرنے سے روکے گا اور یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ ریچھ والا ریچھ کو اور بندر والا بندر کو اسی طریق پر سدھاتا ہے اور لوگوں میں لئے پھرتا ہے اور وہ

نقصان نہیں پہنچاتے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سپیرے اور ان کے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یا تو وہ سانپ زہریلے نہیں ہوتے یا پھر ان کا زہر ختم کر دیا جاتا ہے۔ جب سانپ بے ضرر کر دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ کھیلا جا سکتا ہے۔

پس اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد جو روزمرہ ہمارے مشاہدہ کی بات ہے یہ سمجھ آجاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس تمثیل کے ذریعہ جو نقشہ ہمیں سمجھا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ:۔

وہ دور ایسا ہوگا کو کوئی درندہ صفت انسان کسی کمزور انسان پر حملہ نہ کر سکے گا۔ ایک ایسا قانون اس وقت لاگو ہوگا کہ درندہ صفت اور خونخوار جانور بھی اس قانون کے خوف سے کمزور پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے۔ ایسے لوگ جو سانپ کی طرح ڈسنے کی صفت رکھتے ہوں گے قانون کے ذریعہ ان کے زہر کو ختم کر دیا جائے گا اور وہ بچہ صفت انسان کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

پس رسول اللہ ﷺ ایک ایسے دور کی کیفیت اور حالت بیان فرما رہے ہیں جس میں حکومت صاحب طاقت وقدرت ہوگی اور انصاف پر قائم ہوگی۔ کمزوروں اور ضعیفوں کے حقوق کی پامالی اس میں نہ ہوگی۔ ظالموں کے ہاتھ روکنے والی حکومت موجود ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ لوگ درندہ صفت اور سانپ صفت لوگوں سے امن میں ہوں گے اور وہ دور خوش حالی اور امن کا ہوگا اور ہر قسم کی آزادی رعایا کو حاصل ہوگی۔

اور یہ علامت تمام تر تفصیلات کے ساتھ پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ انگریزی دور کو مسلمانوں کی اکثریت نے امن وامان کے لحاظ سے سنہری دور قرار دیا ہے۔ چنانچہ سید احمد صاحب شہید نے انگریزی حکومت کی یہی تعریف کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

’’سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادات لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔‘‘

(محمد جعفر صاحب تھانیسری۔ سوانح احمدی۔ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور صفحہ ۱۷)

یہ وہ انگریزی دور کا امن ہے جس کے متعلق آپ کے بھی مسلمہ بزرگ سید احمد صاحب یہ بیان دیتے ہیں کہ انگریزی حکومت میں ہمیں ایک طرف ہر طرح کی آزادی حاصل ہے دوسری طرف کسی طالم کی جرات نہیں کہ ہم پر زیادتی کرتے۔ اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو حکومت خود اس کو سزا دیتی ہے۔ یہی وہ امن ہے جسے آنھضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

سرگروہ اہلحدیث مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس زمانہ میں موجود دیگر اسلامی سلطنتوں پر بھی انگریزی حکومت کی طرف سے دی جانے والی آزادی کی بناء پر اس کی افضلیت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

’’مذہبی آزادی اس گروہ کو کاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے۔ بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے ان کو اور اسلامی اسلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔‘‘

(مولوی محمد حسین بٹالوی۔ اشاعۃ السنۃ النبویہ نمبر ۷ جلد ۹ وکٹوریہ پریس لاہور صفحہ ۲۰۶ حاشیہ)

شیعہ عالم و مجتہد علامہ علی الحائری نے اپنے فرقہ کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

’’فی الحقیقت آپ بہت ہی ناشکر گزار ہوں گے اگر آپ اس کا اعتراف نہ کریں کہ ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی عدالت اور انصاف پسندی کی مثال اور نظیر دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی۔‘‘

(سید علی الحائری تقریر ۲۸ جنوری ۱۹۲۳ء۔ الموسومہ بہ موعظہ تقیہ صفحہ ۴۳)

اسی طرح ۲۶ فروری ۱۹۲۳ء کو علامہ علی الحائری صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

’’میں بہت ہی ناشکر گزار ہوں گا اگر اس کا ذکر نہ کروں کہ ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی ہے۔ جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی سلطنت میں نہیں مل سکتی۔‘‘

(سید علی الحائری موعظہ تحریف قرآن۔ ایڈیشن دوم اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۷)

علامہ اقبال نے انگریزی حکومت کا نقشہ ان اشعار میں پیش کیا ہے:۔

آزادی زبان وقلم ہے اگر یہاں   سامان صلح دیر وحرم ہے اگر یہاں
تہذیب کاروبار امم ہے اگر یہاں   خنجر میں تاب وتیغ میں دم ہے اگر یہاں
جو کچھ بھی ہے عطائے شہ محترم سے ہے   آبادی دیار ترے قدم سے ہے

(باقیات اقبال صفحہ ۲۱۷ شائع کردہ آئینہ ادب چوک مینار انارکلی لاہور)

پھر آئین کو قائم کرنے والی انگریزی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ہمیشہ قائم رہنے کی یوں دعا کی ہے:۔

جب تک چمن کی جلوہ گل پر اساس ہے   جب تک فروغ لالہ احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح عنادل کو راس ہے   جب تک کلی کو قطرہ شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح   دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح

(باقیات اقبال صفحہ ۲۱۹ شائع کردہ آئینہ ادب انارکلی لاہور)

اس میں آئین کی حکمرانی کے نتیجہ میں چکور سے شاہین کے دبنے کا ذکر ہے یعنی کمزور بھی آئین کی حکمرانی کے نتیجہ میں طاقتور ظالم سے نہیں دبتا بلکہ آزادی کے ساتھ رہتا ہے۔

بالکل اسی طرح آنحضرت ﷺ نے مسیح کے زمانے کا نقشہ پیش فرمایا ہے۔ جس کی مولوی صاحب الٹی تشریح کر کے غلط طرف لے جا رہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انگریزی دور ایک انصاف وامن کا دور تھا۔ مذہبی آزادی کا دور تھا۔ آئین کی حکمرانی کا دور تھا اور یہ بات دیوبندیوں کے بزرگ سید احمد شہید، اہلحدیث، اہل تشیع اور دیگر روشن خیال علماء اسلام قبول کر چکے تھے۔

اور یہی آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں آئین کی حکمرانی اور آزادی ہوگی۔ ظالم کمزور پر ظلم نہ کر سکے گا۔ حضرت مرزا صاحب نے درست ہی تو فرمایا ہے:۔

فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰ   عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا   جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

پیویں گے ایک گھاٹ پر شیر اور گوسپند　　کھیلیں گے بچے سانپوں سے بے خوف و بے گزند
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا　　بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۷۸)

اس دور میں امن و آشتی کی ایک مثال یہ ہے کہ سلسلہ کائنات میں پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء میں دنیا کے اکثر معلومہ مذاہب کے نمائندگان نے نہایت ہی پر امن ماحول میں جلسہ مذاہب عالم منعقدہ ۲۶ تا ۲۹ دسمبر ۱۸۹۶ء بمقام اسلامیہ کالج لاہور میں اپنے اپنے مذاہب کی تعلیمات کو بیان کیا۔ سامعین نے بھی بغیر کی احتجاج اور شور اور بے امنی کے ان تمام پروگراموں میں شرکت کی۔ چنانچہ سوامی شوگن چندر صاحب جو کہ ہندو رہنما تھے انہوں نے اس جلسہ کے انعقاد کے متعلق علماء ادیان کے نام جو اشتہار جاری کیا تھا اس میں لکھا:۔

”پس اس مجمع اکابر مذاہب میں جو مذہب سچے پرمیشر کی طرف سے ہوگا ضرور وہ اپنی نمایاں چمک دکھلائے گا، اسی غرض سے اس جلسہ کی تجویز ہوئی ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی مذہب کو اس پر اعتراض ہو سراسر بے تعصب اصول پر مبنی ہے۔ لہذا خاکسار ہر ایک بزرگ واعظ مذہب کی خدمت میں بانکسار عرض کرتا ہے کہ میرے اس ارادہ میں مجھ کو مدد دیں اور مہربانی فرما کر اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لئے تاریخ مقررہ پر تشریف لاویں۔ میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ خلاف تہذیب اور برخلاف شرائط مشتہرہ کے کوئی امر ظہور میں نہیں آئے گا اور صلح کاری اور محبت کے ساتھ یہ جلسہ ہوگا۔“

پس اس کے عین مطابق یہ جلسہ نہایت پرامن اور صلحکاری اور محبت کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس جلسہ کا انعقاد مذہبی آزادی، مذاہب کی رواداری اور حکومت کے قانون کی طاقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

نمبر ۱۴: کثرت مال

مولوی صاحب نے ”دنیا سے بے رغبتی اور انقطاع الی اللہ“ کے زیر عنوان لکھا ہے کہ:۔

”صحیح بخاری شریف کی حدیث جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے اس کے آخر میں آپؐ

نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مال سیلاب کی طرح بہہ پڑے گا۔ یہاں تک کہ اسے کوئی قبول نہیں کرے گا حتی کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا''

(صحیح بخاری کتاب احدیث الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے دنیا کو قیامت کے قریب آ لگنے کا یقین ہو جائے گا۔ اس لئے ہر شخص پر دنیا سے بے رغبتی اور انقطاع الی اللہ کی کیفیت غالب آ جائے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت کیمیا اثر اس جذبے کو مزید جلا بخشے گی۔ دوسرے زمین اپنی تمام برکتیں اگل دے گی اور فقر و افلاس کا خاتمہ ہو جائے گا حتی کہ کوئی شخص زکوٰۃ لینے والا بھی نہیں رہے گا۔ اس لئے مالی عبادات کی بجائے نماز ہی ذریعہ تقرب رہ جائے گی اور دنیا مافیہا کے مقابلے میں ایک سجدے کی قیمت زیادہ ہوگی'' (شناخت صفحہ ۲۱، ۲۲)

مولوی صاحب نے حدیث مبارکہ کی تشریح میں دو باتیں بیان کی ہیں اور دونوں اپنے اندر اندرونی تضاد رکھتی ہیں۔

پہلی بات میں مولوی صاحب مال کے قبول نہ کئے جانے کا باعث یہ بتاتے ہیں کہ قیامت کے قرب کے خیال کی وجہ سے لوگوں میں دنیا کے اموال سے بے رغبتی ہو جائے گی اور لوگ زہد کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

اور دوسری وجہ میں مولوی صاحب مال سے بے رغبتی اور اسے قبول نہ کرے کا باعث یہ بتاتے ہیں کہ زمین اپنی تمام برکتیں اگل دے گی۔ کثرت مال وزر ہوگا اس لئے لوگوں میں سے ہر ایک خوب مالا مال ہو جائے گا اور وہ کسی دوسرے کے مال سے کچھ بھی لینا پسند نہ کرے گا۔

اب یہ دونوں وجوہات ای دوسرے سے بالکل متضاد ہیں اور مولوی صاحب کی یہ تشریحات خلاف قرآن وسنت اور عقل بھی ہیں کیونکہ ظاہری مال و دولت کی اس طرح کثرت اور اس قدر کثرت کہ کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو اس سے معاشرے میں تعاون کی روح ختم ہو جائے گی اور معاشرے کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کوئی شخص دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ کیونکہ مال کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی احتیاج ختم ہو جائے گی اور اس

طرح جو تباہی آسکتی ہے اور مشکل پیدا ہو سکتی ہے وہ ایک ماہر معاشیات ہی جانتا ہے۔ مگر مولوی صاحب کو ان باتوں سے کیا کام۔ غور کرنا چاہئے کہ مسیح کے زمانہ میں اگر اس طرح کی کثرت مال و زر ہوگی تو کیا اس کے درج ذیل نتائج نہ نکلیں گے؟

نمبر ۱:۔ وہ ارکان اسلام میں سے زکوٰۃ کو کلیۃً ختم کر دیں گے کیونکہ ضرورت ہی نہ ہوگی۔

نمبر ۲:۔ مالی عبادات ختم ہو جائیں گی اس لئے عملاً قرآن کی وہ تمام آیات جو مالی قربانیوں کے متعلق ہیں منسوخ ہو جائیں گی۔ کیونکہ بموجب عقیدہ آپ کے اس کے بعد قیامت اور قیامت تک مسیح کے بعد ان کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ نماز ہی ذریعہ تقرب ہوگی۔

گویا بقول آپ کے مسیح علیہ السلام ارکان اسلام میں سے اہم رکن زکوٰۃ اور اکثر آیات قرآنیہ کو منسوخ کر کے خوب خدمت قرآن و اسلام کریں گے۔

مولوی صاحب یہ امر قابل غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے سردار و سرتاج ہیں۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے اندر زہد و قناعت کی وہ روح پھونکی کہ جس کی مثال تاریخ انسانیت میں تلاش کرنا عبث ہے۔ مگر اس زہد و قناعت کے باوجود خود رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ اپنی ضروریات زندگی کے سلسلہ میں اموال لینے پر مجبور ہوئے۔ کبھی محنت کر کے اجرت حاصل کی۔ کبھی قرض لیا۔ پس کیا زہد و قناعت کا یہ مطلب ہے کہ زاہد شخص کو ضروریات زندگی نہیں ہوا کرتیں۔

اگر بقول آپ کے قبول بھی کر لیا جائے کہ مسیح آئیں گے اور لوگوں کو قرب قیامت کا خیال پیدا ہوگا۔ مگر یہ بھی تو آپ مانتے ہیں کہ قریباً چالیس یا پینتالیس سال جو کہ نصف صدی کا عرصہ ہے اس عرصہ تک مسیح زمین میں قیام فرمائیں گے۔ کیا اس تمام عرصہ میں محض زہد و قناعت پر لوگوں کا گزارہ ہوگا؟ آخر انسانی معاشرہ ہی ہوگا۔ پھر اس معاشرے میں تمام لوگ کیسے ایک ہی معیار کے ہو جائیں گے کہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جسے مال کی ضرورت ہو۔

دوسرا آپ کا یہ بیان کہ مال اس کثرت سے ہو جائے گا کہ اس کی کثرت کی وجہ سے لوگ اسے قبول نہ کریں گے آنحضرت ﷺ کے بیان کے صریحاً مخالف ہے۔ آنحضرت

ﷺ فرماتے ہیں:۔

’’لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ لَاَحَبَّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ ثَانِيًا وَلَا يَمْلَاءُ فَاهُ اِلَّا التُّرَابُ‘‘ (ترمذی ابواب الزھد باب ماجاء لوکان لابن آدم وادیان)

یعنی اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی بھی ہو تو پھر بھی وہ یہ پسند کرے گا کہ اسے سونے کی ایک اور وادی مل جائے۔ فرمایا ابن آدم کا منہ تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (ورنہ اس کا مطالبہ رک نہیں سکتا)۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں انسانی فطرت بیان فرمائی ہے کہ مال کی کثرت مزید مال کے حصول اور اسے قبول کرنے میں روک نہیں بن سکتی بلکہ جس قدر مال بڑھتا ہے اسی قدر حرص بڑھتی چلی جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولوی صاحب نے اس حدیث مبارکہ کے متعلق دو متضاد اور غیر معقول اور خلاف قرآن وحدیث تشریحات پیش کی ہیں تاہم مولوی صاحب کا ایک سے زیادہ تشریحات کو پیش کرنا اور کسی ایک پر قطعیت کا فیصلہ صادر نہ کرنا یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک اس حدیث مبارکہ کی تشریح کے کئی امکانی پہلو ہو سکتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس حدیث مبارکہ کی صحیح تشریح کو سمجھنا مشکل امر نہیں ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام ایک مرسل من اللہ کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور باقی مرسلین کی طرح وہ بھی مال تقسیم کریں گے یا یہ کہ ان کی برکت سے مال بہت ہو جائے گا۔ لیکن کونسا مال؟ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

’’يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ‘‘ (البقرہ:۲۷۰)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی تو سمجھو کہ اس کو خیر کثیر عطا کیا گیا ہے اور خیر کے معنی المال الکثیر کے لغت عرب میں لکھے ہیں۔ گویا قرآن کریم کے محاورہ کے اعتبار سے خدا کی طرف سے حکمت کی باتوں کا عطا ہونا ہی مال کثیر کا

عطا ہونا ہوتا ہے۔ یہی وہ مال ہوتا ہے جو مرسل من اللہ لے کر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** (سورہ الجمعہ:۳) آپ کلام اللہ اور اس کی حکمتیں لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ گویا مال سے مراد حکمت اور حکمت سے مراد قرآن مجید کے معارف اور حکمت کی باتیں ہیں اور یہی وہ مال ہے جسے اس زمانہ کے لوگ قبول نہیں کیا کرتے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب سجدہ یعنی مرسل من اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے عبادت الٰہی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر اور اس کی نافرمانی کرنا ناراضگی باری تعالیٰ کا موجب ہوجایا کرتا ہے۔ یہی خزانے دے کر خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا ہے۔ آپؑ نے قرآن مجید کی تعلیم کے وہ نہایت عظیم نکات بیان فرمائے کہ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ آپؑ لوگوں کو اس طرف بلا رہے ہیں مگر لوگ اس سے انکاری ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں اس کی اطاعت کی توفیق ملی۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

”میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔“ (ضرورۃ الامام۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹۶، ۴۹۷)

سچ فرمایا ہے:۔

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے   اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اگر آپ کو ظاہر پر ہی اصرار ہے تو بھی یاد رکھیں کہ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود مال کو پانی کی طرح بہائے گا مگر کوئی بھی اس کو قبول نہ کر سکے گا۔ یعنی وہ مخالفین کو چیلنج دے گا کہ تم میرا مقابل کرلو اور انعام حاصل کرلو۔ مگر کسی کو بھی توفیق نہ ملے گی اور کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ، اعجاز المسیح، اعجاز احمدی، کرامات الصادقین وغیرہ کتب انعامی چیلنج کے ساتھ لکھیں۔ نیز لفظ توفی، لفظ خلت، میعاد مدعی نبوت وغیرہ کے بارہ میں چیلنج دیئے۔ مگر بڑے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کسی کو یہ انعامی رقم قبول کرنے کی توفیق نہ ملی۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ایسا مسیح موعود ظاہر ہوجائے گا اس وقت جو شخص سجدۂ اطاعت بجالائے گا اس کا یہ سجدہ اور ایمان دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ **فھل من مدّکرٍ**۔

آخری گزارش

رسالہ کے صفحہ ۲۲ پر ’’حرف آخر‘‘ کے نیچے لکھا ہے کہ:۔

’’اب جبکہ پندرھویں صدی کی آمد آمد ہے ہمیں نئی صدی کے نئے مجدد کے لئے منتظر رہنا چاہئے۔‘‘ (شناخت صفحہ ۲۲)

مولوی صاحب! آپ کو نہ چودھویں صدی کا مجدد ملا نہ پندرھویں صدی کا مجدد ملے گا۔ اس لئے جس طرح چودھویں صدی بغیر امام کے آپ لوگوں نے گزار دی اسی طرح نہ صرف پندرھویں صدی بلکہ آئندہ آنے والی ہر صدی میں آپ اور آپ کے اتباع صرف منتظر رہیں گے۔ کیونکہ جس مسیح موعود نے آنا تھا وہ آچکا اب اس کی خلافت کا سلسلہ پیشگوئیوں کے مطابق جاری ہے اور لاکھوں افراد اس سے فیض پا رہے ہیں۔ مگر آپ منتظر رہیں اور تلاش کرتے رہیں اور کوشش کریں کہ کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے۔ چلو چودھویں صدی تو خالی گئی کم از کم آپ کی پندرھویں صدی تو خالی نہ جائے۔ مگر

؎ ایں خیال است و محال است و جنوں

سچا مسیح اور مہدی تو آچکا۔ اپنا کام پورا کر چکا۔ اسلام کے روحانی و علمی غلبہ کا اظہار کر چکا۔ ظاہری و عددی غلبہ شروع ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید میں وہ تمام نشانات پورے فرما دیئے جن کی اطلاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں کی علامات اس وجود میں اور اس کی جماعت میں عیاں فرما دیں۔

پس مسیح موعودؑ کے آنے کی علت غائی پوری ہوگئی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ مسیح و مہدی کی علت غائی کا ظہور اگر میرے ذریعہ اللہ فرما دے تو پھر آپلوگوں کو مان لینا چاہئے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے بھی حضرت مرزا صاحب کا یہ حوالہ درج کیا ہے کہ:۔

’’اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام دکھایا جو مسیح موعود اور مہدی موعود کو کرنا

چاہئے تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آوے تو میں جھوٹا ہوں‘‘ (خط بنام قاضی نذر حسین۔ مندرجہ اخبار بدر ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء)

چونکہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے سچے مسیح اور مہدی تھے اس لئے آپؑ کے ذریعہ مسیح موعود کی بعثت کی علت غائی پوری ہوئی۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’مسیح موعود کے وجود کی علت غائی احادیث نبویہؐ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عیسائی قوم کے دجل کو دور کرے گا اور ان کے صلیبی خیالات کو پاش پاش کر کے دکھلا دے گا۔ چنانچہ یہ امر میرے ہاتھ پر خدا تعالیٰ نے ایسا انجام دیا کہ عیسائی مذہب کے اصول کا خاتمہ کر دیا۔ میں نے خدا تعالیٰ سے بصیرت کاملہ پا کر ثابت کر دیا کہ لعنتی موت جو نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ جس پر تمام مدار صلیبی نجات کا ہے وہ کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ اور کسی طرح لعنت کا مفہوم کسی راستباز پر صادق نہیں آ سکتا۔ چنانچہ فرقہ پادریان اس جدید طرز کے سوال سے جو حقیقت میں ان کے مذہب کو پاش پاش کرتا ہے ایسے لاجواب ہو گئے کہ جن جن لوگوں نے اس تحقیق پر اطلاع پائی وہ سمجھ گئے ہیں کہ اس اعلیٰ درجہ کی تحقیق نے صلیبی مذہب کو توڑ دیا ہے۔ بعض پادریوں کے خطوط سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس فیصلہ کرنے والی تحقیق سے نہایت درجہ ڈر گئے ہیں اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ اس سے ضرور صلیبی مذہب کی بنیاد گرے گی اور اس کا گرنا نہایت خوفناک ہو گا اور وہ لوگ درحقیقت اس مثل کے مصداق ہیں کہ **یُرْجٰی بَرْءُ مَنْ جَرَحَہُ السِّنَانُ وَلَا یُرْجٰی بَرْءُ مَنْ مَزَّقَہُ الْبُرْھَانُ**۔ یعنی جو شخص نیزہ سے زخمی کیا جائے اس کا اچھا ہونا امید کی جاتی ہے لیکن جو شخص برہان سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے اس کا اچھا ہونا امید نہیں کی جاتی۔‘‘

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۴ حاشیہ)

حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی بیان کردہ علت غائی کو ایسی عظمت اور شان کے ساتھ پورا فرمایا کہ اس زمانہ کے شدید مخالف لوگوں کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑا۔ مگر مولوی صاحب کو ابھی تک یہ خبر نہیں ہوئی کہ مسیح کی آمد کی علت غائی حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ پر پوری ہو چکی ہے۔

چنانچہ یہاں چند آراء ان لوگوں کی درج کی جاتی ہیں جو حضرت مرزا صاحب کے سلسلہ بیعت میں شامل نہ تھے مگر کچھ عقل اور سمجھ ضرور رکھتے تھے اور صداقت کے اظہار کی جرأت رکھتے تھے۔

(۱) علامہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:۔

’’مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی اور اس وقت کہ جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔‘‘

(علامہ نیاز فتح پوری۔ ماہنامہ نگار اکتوبر ۱۹۶۰ء)

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا:۔

’’اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے گا قائم رہے گا۔‘‘

(مولانا ابوالکلام آزاد۔ اخبار ’’وکیل‘‘ امرتسر ۱۹۰۸ء)

(۳) جناب مرزا حیرت دہلوی صاحب نے لکھا کہ:۔

’’مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریاؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی

کی ہیں واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل رنگ بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ بحیثیت ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریا اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ ’’

(مرزا حیرت دہلوی ’’کرزن گزٹ‘‘ دہلی یکم جون ۱۹۰۸ء جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۸ کالم نمبر ۲)